مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ ربوہ

مئی ۱۹۸۵ء

ایڈیٹر
غلام باری سیف

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

مئی ۱۹۸۵ء

ایڈیٹر
غلام باری سیف

مدیرانِ اعزازی
• ملک صلاح الدین صاحب بھارت
• مبارک احمد صاحب ساقی لندن
• کمال یوسف صاحب سیکنڈے نیویا

پبلشر :- چوہدری محمد ابراہیم
پرنٹر :- سیّد عبدالحی کتابت :- حمید الدین
مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ

فہرست

شرح چندہ

پاکستان		بیس ۲۰ روپے سالانہ
امریکہ، کینیڈا، جزائر فجی	بذریعہ ہوائی ڈاک	پندرہ ۱۵ ڈالر سالانہ
	بحری ڈاک	آٹھ ۸ ڈالر سالانہ
دیگر ممالک	بذریعہ ہوائی ڈاک	چھ ۶ پونڈ سالانہ
	بحری ڈاک	تین ۳ پونڈ سالانہ

قیمت فی پرچہ ـــــ دو ۲ روپے

جلد ۲۶　　ماہنامہ انصاراللہ ربوہ　　شمارہ ۵

ادار یہ

آہ چوہدری عبدالرزاق صاحب

مرکزِ سلسلہ سے باہر یہ اندوہناک خبر سُنی کہ امیر جماعتِ احمدیہ ضلع نواب شاہ چوہدری عبدالرزاق صاحب ایک ظالم سفاک کی گولی کا نشانہ بن گئے۔ کُلّ من علیہا فان ویبقٰی وجہ ربّك ذوالجلال والاکرام اِس خبر کی شدّتِ تاثیر سے آج تک دل ودماغ متأثر ہیں۔

مرحوم پچھلے سال جب اپنے عزیز چوہدری عبدالحمید صاحب صدر جماعتِ احمدیہ محراب پور جنہیں ایک سفّاک نے احمدیت کی بناء پر موت کے گھاٹ اُتارا تھا کی نعش لے کر ربوہ آئے تو میرے استفسار پر حالات پر چُپکے سے فرمایا دعا کریں دھمکیوں کے خطوط اور پیغامات آرہے ہیں۔ راقم الحروف مرحوم کے حالات سے ذاتی طور پر واقف ہے۔ ایک عرصے سے وہ دشمنوں کا ہدف تھے۔ بالآخر اُنہیں وہ درجہ مل گیا جو ہر ایک کے نصیب میں نہیں ؎

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں

قسّامِ ازل نے مرحوم کو دین و دُنیا میں "حسنہ" سے نوازا تھا۔ ایک معمولی دکاندار کی حیثیت سے انہوں نے بھریا روڈ (سندھ) میں تجارت کا آغاز کیا تھا اور پھر اُس قادرِ مطلق کے فضلوں سے وہ علاقہ کے اچھے تاجر اور صنعت کار بن گئے۔ اب مرحوم ایک کاٹن فیکٹری، برف کے کارخانہ اور میڈیکل سٹور کے مالک تھے۔ وہ اب خطّہ سندھ کو ہی اپنا وطن سمجھتے تھے۔ بڑی روانی سے سندھی بولتے۔ وسیع مکان وہاں تعمیر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم داد و دہش کے باوجود سادگی پسند تھے۔ عجز و انکسار کے ساتھ شجاعت اور جرأت کے پیکر تھے۔ ایک سے زیادہ بار مجھے خطرات کا بتلایا لیکن مسکراتے ہوئے۔ بھریا روڈ کی صنعتی اور

تجارتی ترقی میں مرحوم کا بڑا حصہ تھا۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ سلسلہ کے ہر کام میں نمایاں حصّہ لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بار ضلعی امیر کے اِنتخاب کے موقع پر مکرم و محترم حاجی عبد الرحمٰن صاحب سابق امیر ضلع نے خود ان کا نام امارت کے لئے پیش کیا اور وہ اِس خدمت کو نہایت عمدگی سے بجا لا رہے تھے۔ اللہ نے اپنی خشیت سے لبریز دل ان کو عطا فرمایا تھا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بہت نمایاں تھے اِس لئے سفّاک کی گولی نے ملک کو ایک ذہین تاجر و صناع سے محروم نہیں کیا اُس نے اپنی گولی سے بیسیوں مسکینوں اور یتیموں کے سینہ کو بھی چھلنی کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں کیا کھول کر اِس حقیقت کو بیان فرمایا کہ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ .... فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا　　(المائدہ : ٣٣)

کہ جس نے ایک جان کو قتل کیا اُس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ کیا پُر حکمت ہے یہ کلامِ خداوندی اور کتنے وسیع ہیں اس کے معانی و مطالب کہ قتل کا جُرم کرنے والا معاشرہ کو ایک بدراہ دکھا کر معاشرہ کی تباہی کا موجب بنتا ہے۔ کسی ایک کو قتل کرنے والا صرف ایک شخص کو قتل نہیں کر رہا ہوتا وہ پُورے خاندان، برادری کو مُبتلائے آلام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ کئی گھروں میں صفِ ماتم بچھا رہا ہوتا ہے۔ وہ معاشرہ کو تشدّد کی راہ پر ڈال کر ایک بھیانک جُرم کا مُرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔

اور پھر اگر اس کی پُشت پر مذہبی جنون ہو تو یہ اور بھی دُکھ کا موجب ہوتا ہے۔ اس جُرم کا مرتکب سوچ سے عاری یہ نہیں سوچتا کہ اس بد روش کا انجام کیا ہوگا۔ لوگ اس کا کیا تأثر لیں گے۔ اِس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

بخدا اِسلام امن و رواداری کا مذہب ہے۔ وہ آزادئ ضمیر کے عقیدہ کا حامی ہے۔ جو اس کے نام پر تشدّد کی تلقین کرتا ہے وہ خدا اور اس کے برگزیدہ رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف کرتا ہے۔

ظالم و سفّاک کی گولی کا نشانہ بننے والے محترم چوہدری عبد الرزاق صاحب! آپ کو خدا اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے۔ رزاق خدا آپ کے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کا کفیل ہو۔ جو کام آپ کی ناگہانی موت سے اُدھورے رہ گئے اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں سے اُن کی تکمیل فرمائے۔ جانے والے تجھے مبارک ہو کہ آپ کا نام راہِ حق پر قربان ہونے والوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ آپ کا بھرپُور کردار علاقہ یاد رکھے گا۔ آپ کا نام اَنمٹ ہو گیا۔

ادارہ محترم چوہدری صاحب مرحوم کی بیوہ، آپ کے بیٹوں، بیٹیوں، اعزاء و اقارب، نسبتی بھائی

ڈاکٹر فضل کریم صاحب سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ کے زخمی قلوب کے لئے تسکین کا پھاہا ہو۔ وہ قادر و قدیر خدا اپنی قدرت کے ہاتھ سے آپ کے قلوب کو استقامت عطا فرمائے اُس کی رضا آپ کو حاصل ہو۔ وہ خدا آپ کا متکفل ہو۔ اٰمین یا ربّ العٰلمین۔ ونقول کما قال سیّدنا وحبیبنا۔

العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الّا بما یرضٰی به ربّنا

آنکھ اشکبار ہے۔ دل غمناک ہے لیکن ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں۔ خدا کرے وہ آسمانی آقا بھی ہم سے راضی ہو جائے۔ ہماری فریاد اُسی کی جناب میں ہے کہ وہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں۔

ع نگاہیں اُس کی بجلی ہیں تو آہیں اس کی شمشیریں

اِس میں کیا شک ہے کہ نگاہِ پاک جس طرف اُٹھ جائے وہ اپنا کام کر جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ؎

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغ تیز
جس سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

اُس محبوبِ ازلی کی پیاری نگاہ اُس کے ماسوائے ہر شئے سے بے نیاز کر دیتی ہے اور مُحبّ کو اپنا بنا لیتی ہے گویا العشق نار یُحرق ماسوی الله خدا کے عشق کی آگ اُس کے سوا ہر چیز کو جلا کر رکھ دیتی ہے ہر نفسانی خواہش دب جاتی ہے مٹ جاتی ہے۔

عنوان بالا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا ایک مصرعہ ہے جس میں مومن کے دو اوصاف کا ذکر ہے کہ اگر مومن کی نگاہ بجلی کا کام دیتی ہے تو اس کی آہ و بکا تلوار کی کاٹ کا حکم رکھتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ (النمل : ۶۳)

کیا خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہے جو لاچار کی دعا کو قبول کرتا ہے اور دُکھ دُور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں خلافت عطا کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گورنر معاذ کو یمن بھیجتے وقت نصیحت فرمائی تھی کہ مظلوم کی بد دعا سے بچنا۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ باحیا سخی ہے جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے شرم آتی ہے کہ ان ہاتھوں کو خالی لوٹائے۔ لیکن دعا وہی قبول ہوتی ہے جو سینہ چیر کر نکلے۔ مضطر کی پکار ہی قبول ہوتی ہے۔ آداب دعا کو ملحوظ رکھ کر کی جائے تو قبولیت کا جامہ پہنتی ہے۔ مقبول دعاؤں میں سے ایک دعا تہجد کے وقت کی ہے۔

انصار بزرگو! حضرت بانیٔ سلسلہ نے ہم سے عہد لیا تھا۔ تیسری شرط بیعت کی یہ ہے:۔

"بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکمِ خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا اور حتّی الوسع نمازِ تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔"

(اشتہار ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء)

پنجوقتہ نماز تو فرض ہے جس کا حکم اللہ نے اپنی پاک کتاب میں بارہا دیا کہ نماز کا تارک صاحبِ ایمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد بھی غایت درجہ التزام سے ادا فرماتے۔ بعض اوقات آپؐ کے ساتھ بعض صحابہؓ کو بھی یہ نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا لیکن بالعموم آپؐ یہ نماز اکیلے ہی ادا فرماتے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے ا۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

(بنی اسرائیل : ۸۰)

اور رات کو بیدار ہو کر نماز ادا کیجئے۔ یہ تجھ پر ایک زائد انعام ہے جس کے نتیجہ میں تیرا رب تجھے حمد والے مقام پر کھڑا کر دے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ کے رفقاء کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اکثر رفقاء نمازِ تہجد کا اہتمام فرماتے۔ پانچوں نمازوں کی تلقین جہاں بانیٔ سلسلہ اور آپ کے خلفاء نے فرمائی اِس بار مجلسِ شوریٰ کے موقع پر صدر مجلسِ شوریٰ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے بھی فرمائی۔

اِس وقت نمازِ تہجد کی ادائیگی کی طرف توجّہ دلانا مقصود ہے جس کا عہد عہدِ بیعت میں ہر احمدی کرتا ہے۔ آج جماعت کو دعاؤں کی ضرورت ہے ایسی دعاؤں کی جو الحاح سے کی جائیں۔ جن میں اضطرار ہو۔ قبولیتِ دعا کے مواقع تلاش کر کے دعائیں کی جائیں۔ تہجد کی عادت ڈالی جائے۔ اپنے خدا کے حضور آہ و زاری کی جائے کہ خداوندا تجھے سب قدرتیں حاصل ہیں۔ سب اختیار تجھے ہی ہے۔ تُو مختار الکل ہے۔ آسمانی آقا! دل اپنے

امام کے بغیر بے چین ہیں۔ آنکھ بار بار اشکبار ہوتی ہے۔ مولیٰ جُدائی کے لمحات کو مختصر فرما ——اے زور و قدرت کے مالک تجھ سے کوئی بات بعید نہیں۔ تیرے ایک کُن کہنے کی دیر ہے۔ غمگین دلوں کی آہ و زاری کو قبولیت عطا فرما! مولیٰ کمزوروں پر رحم فرما۔ بیکسوں کی پکار سُن لے۔ سینۂ چاکان کی آہوں کو قبول فرما۔ ہمارے امام کامیابی و کامرانی سے آئیں۔ حالات کو تبدیل فرما۔ مولیٰ نیک تبدیلی لا۔ ہمیں کوئی اختیار نہیں پر تجھے تو سب اختیار ہے۔

مطالباتِ تحریکِ جدید

اُس پس منظر کو سامنے لائیے جب تحریکِ جدید کا اجراء ہؤا تھا۔ جماعت پر وہ وقت کتنا کٹھن تھا۔ اُس وقت امامِ جماعتِ احمدیہ نے جماعت کو کیا تعمیری پروگرام دیا۔ اُس کے کیا شاندار نتائج ظاہر ہوئے۔ سادہ زندگی۔ وقفِ زندگی۔ وقفِ اوقات۔ ہاتھ سے کام کرنا۔ کسی کام کو عار نہ سمجھنے کے کیا نتائج ظاہر ہوئے۔ کس طرح جماعت اکنافِ عالم میں پھیلی۔ اگر مختلف ممالک کے لوگ جماعت میں داخل ہوئے اور ہماری آنکھوں نے یہ نظارہ دیکھا کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

تعمیرِ کردار اور جماعت کی مضبوطی و استحکام کے لئے اِن مطالبات کا بار بار مطالعہ کرکے اس کی افادیت کو سمجھیں۔ ان پر عمل کریں کہ آپ اِس کے بابرکت نتائج مشاہدہ کر چکے ہیں۔

برکتوں والا مہینہ

اِسی ماہ کے تیسرے عشرہ میں وہ مبارک مہینہ آرہا ہے جس میں خدائے لم یزل کی آخری شریعت یعنی فرقانِ حمید نازل ہؤا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کے مطابق اِس مہینہ میں جنّت یعنی خدا کی رضا کے حصول کے دروازے کُھل جاتے ہیں اور فرشتے آواز دیتے ہیں یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ اے بھلائی کے طالب آ جا قدم آگے بڑھا اس کی جنّت کا باب کُھلا ہے۔ اور ندا آتی ہے یا باغی الشّرِّ اَقْصِرْ اے بُرائی کے خواہاں قدم روک، رُک جا شرّ سے۔ شیطان پابندِ سلاسل کر دیا جاتا ہے۔

پس اِس مبارک مہینہ میں نیکی کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ آج اِسلام، پاکستان اور جماعت کو دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے۔ ہمارے امام کے ارشاد کے موجب اِس رمضان کو فیصلہ کُن بنا دیجئے کہ فیصلہ اُس اَحکم الحاکمین نے ہی کرنا ہے۔ اس کے دَر سے اِس طرح چمٹ کر فریاد کریں کہ آپ کی فریاد سیدھی درِ قبولیت پر پہنچے۔

منظوم عربی کلام حضرت اقدس

نَخِرُّ اَمَامَكَ كَالْمَسَاكِيْنِ فَاغْفِرُ

ہم تیرے حضور مسکینوں کی طرح گرتے ہیں پس ہمیں بخش دے

وَجِئْنَاكَ كَالْمَوْتٰى فَاَحْيِ اُمُوْرَنَا ‎ نَخِرُّ اَمَامَكَ كَالْمَسَاكِيْنِ فَاغْفِرُ

اور ہم مُردوں کی طرح تیرے پاس آئے ہیں پس ہمارے کاموں کو زندہ کر۔ ہم تیرے حضور مسکینوں کی طرح گرتے ہیں پس ہمیں بخش دے

اِلٰهِيْ فَدَتْكَ النَّفْسُ اِنَّكَ جَنَّتِيْ ‎ وَمَا اِنْ اَرٰى خُلْدًا كَمِثْلِكَ يُثْمِرُ

میرے اللہ میری جان تجھ پر قربان تُو ہی میرا بہشت ہے ‎ مَیں نے کوئی بہشت تیرے ایسا پھل لاتے نہیں دیکھی

طُرِدْنَا لِوَجْهِكَ مِنْ مَجَالِسِ قَوْمِنَا ‎ فَاَنْتَ لَنَا حِبٌّ فَرِيْدٌ وَّمُؤْثَرٌ

تیری خاطر ہم دھتکارے گئے ہیں۔ تُو ہی ہمارا یگانہ محبوب ہے جسے ہم نے اختیار کر لیا

اِلٰهِيْ بِوَجْهِكَ اَدْرِكِ الْعَبْدَ رَحْمَةً ‎ وَلَيْسَ لَنَا بَابٌ سِوَاكَ وَمَعْبَرٌ

اے اللہ تیرے چہرے کا واسطہ اپنے بندہ پر رحم فرما۔ ہمارے لئے تیرے دروازے کے سوا کوئی دروازہ اور گذر نہیں

اِلٰى اَيِّ بَابٍ يَا اِلٰهِيْ تَرُدُّنِيْ ‎ وَمَنْ جِئْتُهٗ بِالرِّفْقِ يَزْرِ وَيَصْعِرُ

اے اللہ تُو کس دروازے کی طرف مجھے لَوٹائے گا۔ مَیں جس کے پاس نرمی سے جاؤں وہ گالیاں دیتا ہے اور مُنہ پھیر لیتا ہے

صَبَرْنَا عَلٰى جَوْرِ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ ‎ وَلٰكِنْ عَلٰى هَجْرٍ سَطَا لَا نَصْبِرُ

ہم نے تمام مخلوق کا ظلم برداشت کر لیا ‎ لیکن تیری جُدائی ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے

تَعَالَ حَبِيْبِيْ اَنْتَ رُوْحِيْ وَرَاحَتِيْ ‎ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ اَنَسْتَ ذَنْبِيْ فَسَتِّرُ

میرے محبوب آ تُو میری راحت و آرام ہے ‎ اور اگر تُو نے میرا کوئی گناہ دیکھا ہے تو معاف فرما

منظوم فارسی کلام حضرت اقدس

بمہرِ منیرش خطاب از خداست

خُدا کی طرف سے آپ کو مہرِ منیر کا خطاب مِلا

بہ غمخوارِیت گویم، اَے نیک مرد! نہ باید بہ غمخوار دِل رنجہ کرد

اے نیک مرد میں غمخواری کے طور پر تجھے کہتا ہوں اِس غمخواری سے تجھے ناراض نہیں ہونا چاہیئے

کہ اِنکار بر زندگیٔ نبیؐ نشان است، بر موتِ دلہا، جلی

کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے اِنکار مُنکروں کے دل کی موت کی کُھلی کُھلی علامت ہے

جہاں جُملہ، مُردہ فتادست و زار یکے زندہ، اُو ہست از کردگار

سارا جہاں مُردہ اور بیمار ہے خدا کی طرف سے صرف وہی ایک زندہ ہے

اگر مُنکری از حیاتِ رسولؐ سراسر زیان است و کارِ فضول

لیکن اگر تُو رسول کی زندگی کا مُنکر ہے تو تیری سب کرامتیں فضول اور نقصان دہ ہیں

خُدایش چو خواندہ گواہِ جہاں چرا دانِیش عاقل از غائباں

خدا نے جب اُسے اہلِ دُنیا کے لئے شاہد فرمایا تُو عقلمند اُسے غائب کیوں سمجھے

اگر مُنکرِ اُو خبر داشتے بجاں دامنش نیز نگذاشتے

اگر مُنکر کو اُس کی خبر ہوتی۔ تو خواہ جان دینی پڑتی اُس کا دامن نہ چھوڑتا

بمہرِ منیرش خطاب از خداست دریغا! ازیں پس، گمانہا چراست

خدا کی طرف سے مہرِ منیر اِس رسول کا خطاب ہے تو پھر افسوس کہ اِس دلیل کے بعد وہم نے کیوں گھیرا ہے

حضرت بانیٔ سلسلہ کے سوانح اور سیرت کی چند جھلکیاں

(غلام باری سیف)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے سوانح مبارک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک دور آپ کی زندگی کا وہ ہے جب ابھی ماموریت کا دعویٰ نہ فرمایا تھا یعنی ۱۸۳۵ء سے ۱۸۸۹ء۔ دوسرا دور ۱۹۰۸ء تک آپ کی زندگی کے اُس حصہ سے تعلق رکھتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اصلاحِ خلق کے لئے مامور بنا کر مبعوث فرمایا۔

آپ کی ساری زندگی ایک مکمل کتاب تھی۔ اپنے اور بیگانے سبھی آپ کے زُہد، علم وفضل کے مُعترف تھے اور آپ کی زندگی کو قابلِ تقلید سمجھتے تھے۔ ہاں الٰہی طریق کے مطابق دعوئ ماموریت کے بعد صرف اِس دعویٰ کی وجہ سے بعض اُن لوگوں نے بھی مخالفت کی جو پہلے آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور کہتے تھے

"چودہ سو سال میں کسی نے اِسلام کی ایسی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت نہیں کی۔
اِس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنّہ جلد ۶ ۷)

دعویٰ کے بعد مخالفت تو الٰہی سُنّت ہے۔ کونسا مصلح گذرا ہے جس کی مخالفت نہیں کی گئی۔ اِن کی راہوں میں پھُولوں کی پتیاں نہیں کانٹے بچھائے گئے۔ ان کے سروں پر عرقِ گلاب اور عنبر چھڑکنے کی بجائے خاک پھینکی گئی۔ سیّد المعصومین فخر الاوّلین والآخرین سرتاجِ مُرسلین خانہ کعبہ کے سایہ میں سجدہ ریز تھے۔ جبینِ نیاز زمین کو چھُو رہی تھی۔ بدبخت کفّارِ قریش کہہ رہے تھے دیکھو یہ ریاکار (نعوذ باللہ) کتنی لمبی نماز پڑھ رہا ہے۔ پھر انہوں نے مشورہ سے ایک بدبخت ترین شخص عقبہ بن ابی معیط کو بھیجا کہ جاؤ فلاں قبیلہ میں آج اُونٹنی نے بچّہ دیا ہے اُس کی بچّہ دانی بمعہ گند کے لے آؤ اور لا کر اِس طاہر مطہّر میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آمنہ کے لال کی کمر پر رکھ دو۔

ایک روز جسے قوم نے دعویٰ سے قبل امین و صادق کہا تھا خانہ کعبہ کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک غریب لوہار خبیب بن اُرت آیا نجانے اُس وقت اُسے کتنی تکلیف پہنچائی گئی تھی کہ بے بس اور لاچار ہو کر عرض کی

الا تستنصر نا الا تدعو لنا یا رسول اللہ مظالم کی حد ہو گئی آقا خدا سے کیوں ہمارے لئے مدد طلب نہیں فرماتے۔ آقا کیوں ہاتھ آسمان کی طرف نہیں اُٹھاتے۔ میرے آقا فداہ نفسی و نفوس العالمین لیٹے ہوئے تھے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا تم سے پہلی اُمتوں پر بھی بڑے ظلم توڑے گئے۔ آروں سے دو نیم کر دیئے گئے۔ لوہے کی کنگیوں سے اُن کے جسموں سے گوشت نوچا گیا وَمَا یَصْرِفُهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِیْنِهٖ پھر بھی وہ دین سے برگشتہ نہ ہوئے۔ خدا کی قسم یُتِمَّنَّ اللّٰہُ ھٰذَا الْاَمْرَ مار یں کھانے والو یہ مشن مکمل ہو کر رہے گا۔

میرا عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دعوئ ماموریت کے بعد تو اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں۔ بھوکے مارنے پر تُل جاتے ہیں۔ شعب ابی طالب میں قریباً تین سال تک میرے آقاؐ اور آپؐ کے اصحابؓ محصور رہے۔ کھانے پینے کو کوئی چیز نہ جانے دیتے۔ بچوں کے بلکنے کی آوازیں گھاٹی سے باہر جاتیں تو قہقہے بلند ہوتے۔ کل امانتیں رکھنے والے آج گلا گھونٹتے۔ سر کے بال نوچتے۔ سعدیؒ نے کیا خوب کہا

گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است

سعدی تو پھول ہے لیکن دشمنوں کی آنکھ میں خار کی طرح کھٹکتے ہو کہ دشمنوں کی آنکھ خوبی نہیں دیکھتی ؎

وعین الرضا عن کلّ عیبٍ کلیلۃٌ
کما انّ عینَ السُّخطِ تُبدی المساویا

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

بخدا مصلح کی ساری زندگی قابلِ تقلید ہوتی ہے۔ انہیں دیکھنے اور جاننے والے ان پر داد و تحسین کے پھول ہی برساتے رہتے۔ قادیان میں ایک شخص سکھ سے مسلمان ہو گیا۔ وہ ایک روز آیا مجلس میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تشریف فرما تھے۔ اُس نے جھولی میں کچھ بھر رکھا تھا۔ لوگوں نے روکنا چاہا۔ اُس نے کہا ہٹ جاؤ اور آگے بڑھ کر جھولی سے پھولوں کی پتیاں لیں اور چہرۂ مبارک پر پھینکنی شروع کیں۔ یہ عمل جاری تھا اور زبان پر یہ فقرہ:

جو پھول پھینکیں گے اُن پر پھول برسائے جائیں گے جو پتھر پھینکیں گے اُن پر پتھر برسائے جائیں گے

مجھے حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی یہ روایت بڑی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ قادیان کے ماحول کا ایک سکھ حضرت اقدس سے بیس۲۰ سال بڑا تھا۔ ہم بہت سے آدمی گول کمرہ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے وہ آیا اور پوچھا مرزا جی کہاں ہیں؟ ہم نے کہا اندر ہیں۔ اور چونکہ اُس وقت آپ کے باہر تشریف لانے کا وقت نہ تھا ہم بُلا بھی نہ سکتے تھے۔ ہم نے کہا جب آپ باہر تشریف لائیں مل لینا۔ اِس پر اُس سکھ جاٹ نے بے دھڑک آواز دے دی کہ "مرزا جی ذرا باہر آؤ"۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں حضرت اقدس برہنہ سر

اُس کی آواز سُنکر باہر تشریف لے آئے اور دیکھ کر مُسکراتے ہوئے فرمایا سردار صاحب اچھے ہو۔ خوش ہو بہت دنوں کے بعد ملے۔ اُس نے کہا ہاں مَیں خوش ہوں مگر بڑھاپے نے ستا رکھا ہے۔ چلنا پھرنا بھی دُشوار ہے۔ پھر زمیندارے کے کام سے فرصت کم ملتی ہے۔ مرزا جی! آپ کو وہ پہلی باتیں بھی یاد ہیں کہ بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے۔ نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے اور پھر وہ آپ کو ہنس کر کہا کرتے تھے چلو تمہیں ...... ملوانا کروا دیتا ہوں دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آجایا کریں گے۔ پھر آپ کو وہ بھی یاد ہے کہ بڑے مرزا صاحب مجھے بھیج کر آپ کو اپنے پاس بُلا بھیجتے تھے اور آپ کو بڑے افسوس کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ افسوس میرا یہ لڑکا دُنیا کی ترقی سے محروم رہا جاتا ہے آج وہ زندہ ہوتے تو یہ چہل پہل دیکھتے کہ کس طرح ان کا وہی مسیتڑ لڑکا بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور بڑے بڑے لوگ دُور دُور سے آکر اس کے دَر کی غلامی کرتے ہیں۔ حضرت اقدس اس کی اِن باتوں کو سُنکر مُسکراتے جاتے تھے اور پھر آخر میں آپ نے فرمایا:۔

"ہاں مجھے یہ ساری باتیں یاد ہیں۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے۔ ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور پھر بڑی محبّت سے اسے فرمایا کہ ٹھہرو مَیں تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرتا ہوں اور یہ کہہ کر آپ اندر مکان میں تشریف لے گئے۔ حضور کے جانے کے بعد وہ بڈھا سِکھ ہمارے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا اور کہنے لگا کہ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے میرا یہ لڑکا مُلّا ہی رہے گا۔ اور مجھے فکر ہے کہ میرے بعد یہ کس طرح زندگی بسر کرے گا۔ ہے تو نیک مگر اب زمانہ ایسا نہیں چالاک آدمیوں کا زمانہ ہے۔ پھر بعض اوقات آب دیدہ ہو کر کہتے تھے کہ غلام احمد نیک اور پاک ہے۔ جو حال اِس کا ہے وہ ہمارا کہاں ہے۔ یہ بتاتے سُناتے ہوئے وہ سِکھ خود بھی چشم پُرآب ہوگیا اور کہنے لگا آج مرزا غلام مرتضیٰ زندہ ہوتا تو کیا نظارہ دیکھتا۔"

جس باپ کو آپ کے لئے دس من دانوں کی فکر تھی وہ آج دیکھیں کہ سال میں دس من نہیں قریباً بارہ تیرہ ہزار من گندم آپ کے مہمان دارالضیافت کی معرفت آپ کے صدقے کھا رہے ہیں۔ ہاں ہاں اُس کی بدولت جو سفر بٹالہ میں دو پیسوں کے چنے چبا کر گزارہ کر لیا کرتے اور اپنے خادم کو روٹی کے لئے چار آنے مرحمت فرماتے کہ جاؤ بازار سے کھانا کھا آؤ۔

اللہ تعالیٰ کے کیا رنگ اور کیا تقدیریں ہوا کرتی ہیں۔ خوب فرمایا آپ نے ؎

اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا ٭ مَیں خاک تھا اُسی نے ثریّا بنا دیا

دعویٰ ماموریت سے قبل آپ کا کام عبادت میں شغف، بنی نوع انسان کی خدمت، قرآن کی تلاوت اور اُس پر تدبر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب تھا۔

عبادت میں شغف کا نماز باجماعت ایک نہایت اہم فریضہ ہے اور آپ کے اِس ضمن میں التزام کا یہ حال تھا کہ قادیان کی گلیوں میں حافظ معین الدین جنہیں لوگ حافظ معنا کہا کرتے تھے سر پر سفید بُرقعے کی ٹوپی پہنے پھرا کرتے ایک روز حضور کی نظرِ کیمیا جو اس پر پڑ گئی فرمایا حافظ کیا کرتے ہو ہمارے پاس آجاؤ۔ حافظ صاحب نے سمجھا رئیسِ قادیان مجھ سے کوئی خدمت لینا چاہتے ہیں جھٹ جواب دیا مرزا صاحب میں آنکھوں سے نابینا کیا کر سکتا ہوں۔ فرمایا حافظ کام کوئی نہیں کرنا تم قرآن یاد کیا کرنا نماز باجماعت اکٹھے پڑھ لیا کریں گے اور پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ کبھی حضور حافظ معنے کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں اور کبھی خود نماز پڑھا رہے ہیں۔ حافظ ظاہری بصارت سے محروم تھا لیکن چشمِ بصیرت وا تھی ایک دن جب حضور آئندہ کے وعدہ جات ذکر فرما رہے تھے آپ نے فرمایا حافظ یہ تھوڑے دن ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ بڑے وعدے کئے ہیں۔ اِس پر حافظ صاحب نے کہا

"مرزا جی! جو فضل اور نعمت اب ملی ہے یہ کیا کم ہے۔ پھر جب بہت لوگ آجائیں گے تو میں کہاں رہوں گا۔"

اِس پر حضرت صاحب ان کو تسلّی دیتے کہ "حافظ تو میرے پاس ہی رہے گا۔"

بارش ہو یا آندھی حافظ صاحب .... دیتے اور نماز کے لئے حضور کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ جب وہ زمانہ آگیا کہ حضرت اقدس نے خدا تعالیٰ کے الہام و وحی سے مشرّف ہو کر دعویٰ کیا اور لوگ کثرت سے آنے لگے تو حافظ صاحب پھر بھی اس مقام پر رہے جو ان کو پہلے سے حاصل تھا۔ روزانہ انہیں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا اور یہ قادیان کی گلیوں میں گھومنے والے حافظ پانسے کا سونا بن گئے۔ مصنّف لکھتے ہیں :-

"اوّل وقت نماز کی ... کہتے اور سب سے پہلی صف میں کھڑے ہوتے اور حتی الوسع وہ اس مقام پر کھڑے ہوتے کہ حضرت صاحب کے ساتھ ہی جگہ ہو...... آندھی ہو یا کڑکڑاتا جاڑا ہو۔ تیز دھوپ ہو وہ اوّل وقت پہنچتے اور .... کہتے اور پہلی صف میں جگہ پاتے ......
.... نماز باجماعت کی پابندی کے علاوہ نوافل اور تہجد بھی التزام سے پڑھتے تھے اور یہ نعمت بھی حضرت صاحب کی صحبت میں ان کو ملی تھی۔"

۷　جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
ورنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

حافظ صاحب فرماتے ہیں حضور نماز میں التحیات میں السلام علیکم ایّھا النّبی ورحمۃ اللہ بکثرت پڑھتے تھے　　　اور یہی راقم الحروف نے حضرت مولانا شیر علی صاحب کو دیکھا ہے۔

جس شخص نے آپ کا سلوک، چہرہ کی زیارت اور شفقت دیکھی تھی ہو نہ سکتا تھا کہ آپ کے ذکر پر وہ آبدیدہ نہ ہوجاتا۔

۱۹۰۴ء میں ایک بار کسی نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ کے خُسر اور ماموں حضرت حافظ حامد علی صاحب سے حضور کے حالات سُنانے کو کہا۔ فرمایا:

ایک بات ہو تو سُناؤں آپ تو نُور ہی نُور تھے۔ یہ کہہ کر آبدیدہ ہوگئے اور خاموش ہوگئے۔

اور جب آپ کبھی نماز پڑھاتے تو اس کی کیفیت بھی سُنئے۔ ہمارے اساتذہ کے بھی استاذ حضرت قاضی میر حسین صاحب بیان کرتے ہیں۔ اکثر نماز حضرت مولانا نورالدین صاحب پڑھاتے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے

مَیں مغرب کی نماز میں حاضر ہوا تو دیکھا نماز حضور خود پڑھا رہے ہیں۔ آپ نے نماز میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھیں مگر سوز و گداز کی وجہ سے لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔

کچھ لوگ کہا کرتے مرزا صاحب کے پاس ایک حلوہ تھا جسے کھلاتے وہ پھر ہوش و حواس کھو بیٹھتا۔ اور یہ حلوہ تھا اخلاقِ حسنہ، شفقت، محبت اور شیفتگی کا۔ جس نے ایک دفعہ چکھ لیا وہ پھر آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ اِس حلوہ کا پوچھنا ہے تو منشی اروڑے خاں صاحب سے پوچھو جو اس چہرہ کا تصوّر کرکے آبدیدہ ہوجاتے۔ (جہلم کا سفر حضرت مولانا راجیکی کا ذکر)

شکر گڑھ میں ایک قصبہ کنجروڑ دتّاں ہے　. . . . . .　حضرت ناصرِ دیں کی قیادت میں مجھے یہاں جانے کا اِتفاق ہوا۔ اِس بستی سے بھی ایک عاشق اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرمایا تھا۔ آج بھی اِس بستی میں ہندوؤں کے مندروں کے عکس موجود ہیں۔ اس عاشق کا نام تھا ہر چندر۔ انہیں اسلام سے تعارف سکول میں ہوا اور پھر ع

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اس راہ میں انہیں بے حد تکالیف پہنچیں جو ایک لمبا واقعہ ہے۔ مَیں نے تو یہاں اُس حلوہ کا ذکر کرنا ہے جو آپ نے اس "الدار" میں چکھا۔ قادیان میں اُن کا کوئی عزیز یعنی خونی رشتہ دار نہ تھا۔ وہ صُفّہ کی طرح اُس دَر کے ہو چکے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں حضور کے "الدار" کی پہرہ داری کرتا تھا۔ مکان کی کچھ تعمیر ہو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا اور بستر میرا ہلکا۔ اوّل اوّل تو رات گذر ہو جاتی رہی مگر جب سردی بڑھ گئی دوسری طرف دالان میں گچ کا پلستر ہوا تو کمرہ مزید ٹھنڈا ہو گیا۔ ایک رات سردی کی شدت کے باعث مجھے رات بھر نیند نہ آئی۔ کروٹ لے لے کر اور کچھ بیٹھ کر رات گذاری۔ پچھلا پہر تھا۔ کوئی دو بجے کا وقت ہو گا جب تھک کر مَیں لیٹ گیا۔ ابھی چند ہی منٹ ہوئے کہ کھڑکی کھُلی اور سیّدنا حضرت اقدس دالان میں داخل ہوئے۔ مَیں خلافِ معمول کھڑا ہو کر سلام عرض کرنے کی بجائے سکڑا چارپائی پر پڑا رہا۔ پہلے عموماً مَیں کھڑکی کی آہٹ پاتے ہی ہوشیار ہو کر اُٹھ کھڑا ہوتا تھا آج غیر معمولی کوتاہی کی وجہ سے حضور کو توجہ ہوئی اور آپ نے میری چارپائی کے قریب ہو کر مجھے غور سے دیکھا اور آہستگی سے اپنی پوستین جو میری چارپائی کے اُوپر کھونٹی پر لٹک رہی تھی اتار کر میرے اُوپر ڈال دی۔ مَیں مگن پڑا رہا۔ ہلا جُلا نہ بولا۔ حضور تشریف لے گئے مَیں گرم ہو کر گہری نیند سو گیا اور پھر صُبح کی . . سے ہی جاگا۔ وضوء کیا اور نماز کے لئے جانے کو تیار تھا کہ حضرت اقدس صبح کی نماز کے واسطے اِس کھڑکی سے تشریف لائے مَیں نے سلام عرض کیا حضور مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھے اور فرمایا:-

"میاں عبد الرحمٰن آپ نے تکلّف کر کے تکلیف اُٹھائی۔ بستر کم تھا تو کیوں ہمیں اطلاع نہ دی۔ شرط موت کی لگانا اور رنگ اجنبیّت کا دکھانا ٹھیک نہیں۔ دو چار روز کی بات ہو تو اجنبیّت انسان نباہ سکتا ہے مگر عمر کی بازی لگا کر تکلّف و اجنبیّت میں پڑے رہنا باعثِ تکلیف ہوتا ہے۔ جب آپ نے گھر بار چھوڑا۔ ماں باپ چھوڑے۔ وطن اور قبیلہ چھوڑ کر ہمارے پاس آگئے تو آپ کی ضروریات ہمارے ذمّہ ہیں۔"

اور پھر صبح کی نماز پڑھتے ہی حضور نے حاجی حکیم فضل الدین صاحب کو یاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو فرمایا میاں عبد الرحمٰن کے پاس بستر نہیں ان کو آج ہی بستر تیار کرا دیں۔ ان کو ساتھ لے جائیں جیسا پسند کریں بنوا دیں اور دو جوڑے کپڑوں کے بھی بنوا دیں۔

اللہ کے بندوں کا خدا کی مخلوق سے سلوک عدل سے بڑھ کر احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کا ہوتا ہے کہ حکم خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی　　(النحل آیت ۹۱)

حضرت بانیٔ سلسلہ کے ایک اَور ساتھی حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی زبانِ مبارک سے بھی ایک واقعہ سُنئے۔

۱۹۰۴ء کا واقعہ ہے حضرت مفتی صاحب بہت بیمار ہو گئے۔ اُن کی والدہ محترمہ بھی قادیان تشریف لائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر میری صحت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضور نے فرمایا ہم تو ان کے لئے دُعا کرتے ہی رہتے ہیں۔ آپ کو خیال ہو گا کہ صادق آپ کا بیٹا ہے اور آپ کو بہت پیارا ہے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ مجھے آپ سے زیادہ پیارا ہے۔

اور اِس کی کچھ تفصیل حضرت مفتی صاحب سے ہی سُنئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ایک بار مَیں اور میری والدہ قادیان آئے ہوئے تھے۔ ہم واپس ہونے لگے تو حضور ہمارے یکہ پر سوار ہونے کی جگہ تک ساتھ تشریف لائے اور ہمارے راستہ کے لئے کھانا منگوایا۔ وہ کھانا لنگر خانہ والوں نے کسی کپڑے میں باندھ کر نہ بھیجا تھا تب حضرت اقدس نے اپنے عمامہ سے قریباً ایک گز کپڑا پھاڑ کر اس میں روٹی کو باندھ دیا۔

(ذکرِ حبیب حضرت مفتی صاحب ص۴۵)

آج بیٹے باپ کی پگڑی پھاڑتے تو نظر آتے ہیں کون ہے اور کہاں ہے وہ باپ یا پیر جو بیٹے اور مرید کے لئے پگڑی پھاڑ دے۔

یہ تو پگڑی کا پلّو پھاڑا تھا حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی والد ماجد محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر بیان کرتے ہیں:۔

ایک مرتبہ عید کا دن تھا اور میرا صافہ سر صاف نہ تھا اِس لئے کہ جب کبھی ہم لوگ آتے تھے تو ایک آدھ دن کی فرصت نکال کر آتے لیکن جب یہاں آتے اور حضور قیام کا حکم دیتے تو پھر ہمیں ملازمت کے چلے جانے کا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔ اِسی طرح عید کا دن آگیا اور مَیں ایک ہی صافہ لے کر آیا تھا اور وہ مَیلا ہو گیا۔ مَیں نے چاہا کہ بازار سے جا کر خرید لاؤں چنانچہ مَیں بازار کی طرف جا رہا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ لیا اور آپ کی فراست تو خداداد فراست تھی پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ مَیں نے عرض کیا کہ عید کا دِن ہے میرا صافہ مَیلا ہے مَیں بازار سے خریدنے جا رہا ہوں اُسی وقت وہاں ہی کھڑے کھڑے اپنا عمامہ شریف اُتار کر مجھے دے دیا اور فرمایا یہ آپ کو پسند ہے؟ آپ لے لیں مَیں دوسرا باندھ لیتا ہوں۔ مجھ پر اِس محبّت و شفقت کا جو اثر ہُوا الفاظ اسے ادا نہیں کر سکتے۔ مَیں نے نہایت احترام کے ساتھ اِس عمامہ کو لے لیا اور آپ بے تکلّف

گھر تشریف لے گئے اور دوسرا عمامہ باندھ کر آگئے۔"

حضور نے اہلیہ محترمہ کا زیور بیچ کر مہمانوں کے کھانے کا انتظام کیا۔ مہمانوں کو اپنا بستر بھی دے دیا موعود فرزند پر شتری چوغہ ڈال کر اور آپ بغلوں میں ہاتھ دے کر گذارا کیا۔ نوکر کو گھوڑے پر سوار کیا اور آپ پیدل ساتھ چلے۔ لڑکا حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری کے ہؤا لیکن عقیقہ آپ نے کیا۔ مولوی نے مُنہ پر دجّال کہا پھر کرایہ مانگا تو پندرہ روپے کرایہ بھجوا دیا۔ مہمانوں کے بستر خود تانگے سے اُتارے۔ مہمان مولانا حسن علی صاحب کے متعلق پتہ چلا کہ پان کھانے کی عادت ہے تو بارہ کوس دُور گورداسپور سے پان منگوایا۔ غریب نظام دین مرید نے دو آنے نذرانہ پیش کیا تو چلتے وقت انہیں سات روپے پیش فرمائے۔ دامن مرحوم یہ معاشرہ دیکھ پاتا تو یہ نہ کہتا ؎

اودس کھاں رَبّا جہان دیا　-　مَیں ڈبداں ڈبداں جاں

مَیں ڈھونڈاں اوتھے پیار نوں　-　جتھے پُتراں کھانی ماں

جتھے قیدی ہویاں بُلبلاں　-　تے باغیں بولن کاں

جتھے سہمیاں رہن جوانیاں　-　جتھے پٹڈا رہے نیاں

اور یہاں تو "نیاں" انصاف ہی نہیں احسان اور احسان بھی ایتائ ذی القربٰی جیسا نظر آتا ہے کہ انہوں نے جو سیکھا تھا اُس مکتبِ حجازی سے سیکھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں ؎

دگر استاذ را نامے ندانم

کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

یہ تو تھا سلوک اہلِ خرد و دانش سے۔ قادیان میں ایک فاتر العقل شخص تھا میراں بخش اُس کا نام تھا۔ سیرتِ ظفر کے صد[121] اصد[122] پر اُن کے عجیب واقعات نقل ہیں۔ حضرت اقدس کے وقت کے دیوانے بھی عجیب فرزانے تھے حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں ایک دن ہم بیت المبارک کے قریب باہر گول کمرہ کے قریب سوئے ہوئے تھے میراں بخش صاحب رات کے دو بجے کے قریب آئے اور ... دینی شروع کر دی اور کہنے لگے "اُٹھو تسیں ایتھے سون واسطے آیا کردے او" اور پھر گاتا ہؤا چلا گیا۔

حضرت اقدس کا اِن سے ایک واقعہ سُنئے اور لطف اندوز ہوجئے۔ ایک روز حضور ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہے تھے پیچھے سے میراں بخش مخبوط الحواس آ رہا تھا اُس نے آواز دی "او غلام احمد"۔ آپ اُسی وقت کھڑے ہوگئے اور فرمایا۔ جی۔ (شیخ محمد احمد صاحب فرماتے ہیں راوی نے اِتنا کہا اور بے اختیار چشم پُر آب

ہو گئے اور روایت کے باقی الفاظ بمشکل ادا کئے اور کہا حضور کے ایسے اخلاق عالیہ تھے لیکن وہ بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔ اُس نے کہا " اوسلام تے آکھیا کر" آپ نے فرمایا السلام علیکم۔ اُس نے کہا "معاملہ ادا کر" جیب میں سے رومال نکال کر جس میں چونی یا اٹھنی بندھی ہوئی تھی آپ نے اسے کھول کر دے دی۔ وہ خوش ہو کر گھوڑیاں گانے لگا۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب فرماتے ہیں اُسے یہ وہم ہو گیا ہوا تھا کہ وہ بادشاہ ہے اور اسے لوگوں سے معاملہ کی وصولی کا حق ہے۔

ظاہر ہے کہ اُس وقت اٹھنی کا دیسی گھی آدھ چھٹانک سے زیادہ آتا تھا گویا قریباً پچیس روپے اُسے دے دئے۔ ٹھیک فرمایا تھا آپ کے اور ہمارے آقا نے انا القاسم واللہ یعطی دینے والا خدا ہے میں تو فقط تقسیم کرنے والا ہوں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ کے اباءواجداد میں سے مرزا ہادی بیگ امیر تیمور کے چچا حاجی برلاس کی نسل سے تھے ترکِ وطن کر کے لاہور سے ستر میل جانبِ مشرق و دریائے بیاس کے کنارے آباد ہو گئے تھے۔ آپ کو قادیان کے اِرد گرد اسّی کے قریب دیہات بطور جاگیر عطا ہوئے تھے۔ آپ کے پڑدادا کو مغلیہ حکومت کی طرف سے عضدالدولہ کا خطاب اور سات ہزار فوج رکھنے کا اختیار تھا لیکن انگریزوں اور سکھوں کی دست بُرد سے صرف چند گاؤں پر آپ کے خاندان کی ملکیت رہ گئی۔ آپ کے والد مرحوم نے جائیداد کی بازیابی کے لئے بہت کوشش کی لیکن بے سُود اور آپ آخری عمر میں بحسرت یہ شعر پڑھا کرتے ؎

عمر بگذشت ونماند جز ایّامے چند
بہ کہ در یادِ کسے صبح کنم شامے چند

حضرت اقدس نے والد محترم کے حکم کی تعمیل میں مجبوراً مقدمات کی پیروی کی لیکن اِس طرح کہ کبھی کچہری میں نماز ادا فرماتے رہے اور عدالت سے بُلاوے کی آوازیں آتی رہیں لیکن آپ نماز میں مگن رہے کبھی اِس طرح گواہی دی کہ یہ نہیں سوچا کہ میری اِس گواہی سے فریقِ مقابل کو فائدہ پہنچے گا اور اسے فائدہ پہنچا۔ کبھی خلاف فیصلہ ہوا تو فرمایا چلو فراغت ہوئی۔ یکسُوئی حاصل ہوئی۔ والد کے شدید اصرار پر سیالکوٹ میں ملازمت کی تو نوکر کے پوچھنے پر فرمایا ملازمت قیدخانہ ہی ہے۔ راقم الحروف کو ایک سے زیادہ بار اُس کمرہ میں جا کر دُعا کرنے، اُن گلی کوچوں سے گذرنے کا موقع ملا جہاں میرے پیارے محبوب کے قدم پڑے تھے۔ اُس کمرہ میں پہنچا جہاں آپ دورانِ ملازمت رہائش پذیر تھے۔ اُس کمرہ میں پہنچ کر دل ہر بار قابو سے باہر ہو گیا اور جتنی دیر رہا یہی گنگناتا رہا ؎

ہر راہ کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے　　⁂　　شاید کہ وہ گذرے ہوں اِسی راہ گذر سے

آپ کے سیالکوٹ کے ایام کی یہاں ایک گواہی بیان کرنا چاہتا ہوں اور یہ گواہی ہے علامہ سر محمد اقبال کے استاد شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کی۔ آپ بیان کرتے ہیں:۔

"حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پُرمعاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر، کھڑے ہوکر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔"

۲۳ر مارچ ۱۸۸۹ء کو آپ نے لدھیانہ کے مقام پر حضرت سید احمد جان صاحب کے مکان پر بیعت کا آغاز فرمایا۔ پچانوے سال پہلے جو کارواں رواں ہؤا تھا وہ اب دُنیا کے کونوں تک پہنچ چکا ہے۔ اٹھارہ سو اسی میں پینتالیس سال کی عمر میں پہلی کتاب تصنیف فرمائی اور قریباً ۳۰ سال میں آپ نے اسّی۸۰ سے اُوپر کتب تصنیف فرمائیں اس میں اُردو حصہ بڑی تقطیع کے آٹھ ہزار چار سو چھپن صفحات ہیں جبکہ عربی حصہ دو ہزار آٹھ سو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً جو ارشاد آپ مجلس میں فرماتے وہ دس۱۰ جلدوں میں ملفوظات کے نام سے چھپے ہیں یہ چار ہزار پانچ سو پندرہ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اڑھائی سو آپ نے اشتہارات شائع فرمائے یہ تین جلدوں میں پندرہ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ آخری کتاب لیکچر پیغامِ صلح تھی جو آپ کے وصال کے بعد لاہور میں پڑھا گیا۔

۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو تقدیر خداوندی کے تحت لاہور میں آپ نے اپنی جان اس حالت میں جان آفریں کے سپرد کی کہ آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے اللہ میرے پیارے اللہ۔ آپ کی رفیقۂ حیات نے جب آپ آخری سانس لے رہے تھے یعنی نزع کی حالت طاری تھی روتے ہوئے اپنے مولا سے کہا

"خدایا اب یہ تو ہمیں چھوڑ رہے ہیں لیکن تُو ہمیں نہ چھوڑیو۔"

دس۱۰ بجے صبح آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا تھا اور اس سے قبل شام آپ آخری روپیہ جو آپ کے پاس تھا تانگے والے کو دے چکے تھے۔ والدہ محترمہ نے بچوں کو مخاطب ہوکر کہا

"بچو! گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابّا تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑ گئے۔ انہوں نے آسمان پر تمہارے لئے دعاؤں کا بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے جو تمہیں وقت پر ملتا رہے گا۔"

اے اس مقدس وجود کے فرزندو! اے "الدار" میں داخل ہونے والو! خدا نے ان سے وعدہ فرمایا ہے "اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ" آؤ اس "الدّار" میں داخل ہوکر خدا کی پناہ میں آجائیں کہ وعدہ

حضرت اقدس سے خدا کا یہی ہے ؎

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

لیکن خدا کی طرف آنے کا طریق بھی انہیں سے سیکھو۔ آپ اپنے آسمانی آقا کو یُوں مخاطب فرماتے ہیں ا۔

"دیکھ میری رُوح نہایت توکّل کے ساتھ تیری طرف ایسی پرواز کر رہی ہے جیسا کہ ایک پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے سو مَیں تیری قدرت کے نشان کا خواہشمند ہوں لیکن نہ اپنے لئے اور نہ اپنی ذات کے لئے بلکہ اِس لئے کہ لوگ تجھے پہچانیں اور تیری پاک راہوں کو اختیار کریں۔" (ضمیمہ تریاق القلوب)

آپ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں ؎

تجھے دُنیا میں ہے کس نے پُکارا　　کہ پھر خالی گیا قسمت کا مارا
تو پھر ہے کس قدر اس کو سہارا　　کہ جس کا تُو ہی ہے سب سے پیارا
ہُوا مَیں تیرے فضلوں کا منادی　　فسبحان الّذی اخزی الاعادی

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رُوح القدس کی تجلّی

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو رُوح القدس کی تجلّی ہوئی تھی وہ ہر ایک تجلّی سے بڑھ کر ہے۔ رُوح القدس کبھی کسی نبی پر کبوتر کی شکل پر ظاہر ہُوا اور کبھی کسی نبی یا اوتار پر گائے کی شکل میں ظاہر ہوُا اور کسی پر کچھ یا مچھ کی شکل پر ظاہر ہوُا اور انسان کی شکل کا وقت نہ آیا جب تک انسانِ کامل یعنی ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہ ہُوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوگئے تو رُوح القدس بھی آپ پر بوجہ کامل انسان ہونے کے انسان کی شکل پر ہی ظاہر۔ اور چونکہ رُوح القدس کی تجلّی تھی جس نے زمین سے لے کر آسمان کا اُفق بھر دیا تھا اِس لئے قرآنی تعلیم شرک سے محفوظ رہی۔"

(کشتی نوح)

صدق خدمت سے پہچانا جاتا ہے

اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہ فرماتے ہیں :-

"سو تم کوشش کرو کہ خدا کے پیارے ہو جاؤ تا تم ہر ایک آفت سے بچائے جاؤ.... جو شخص سچے طور پر میری پیروی کرتا ہے اور کوئی خیانت اس کے اندر نہیں اور نہ کسل اور نہ غفلت ہے اور نہ نیکی کے ساتھ بدی کو جمع رکھتا ہے وہ بچایا جائیگا لیکن وہ جو اِس راہ میں سُست قدم سے چلتا ہے اور تقوٰی کے راہوں میں پُورے طور پر قدم نہیں مارتا یا دُنیا پر گرا ہؤا ہے وہ اپنے تئیں اِمتحان میں ڈالتا ہے ہر ایک پہلو سے خدا کی اطاعت کرو..... ہر ایک شخص کا صدق اُس کی خدمت سے پہچانا جاتا ہے۔ عزیزو! یہ دین کے لئے اور دین کی اغراض کیلئے خدمت کا وقت ہے اِس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ چاہیئے کہ زکوٰۃ دینے والا اِس جگہ اپنی زکوٰۃ بھیجے اور ہر ایک شخص فضولیوں سے اپنے تئیں بچاوے اور اِس راہ میں وہ روپیہ لگاوے اور بہر حال صدق دکھاوے تا فضل اور رُوح القدس کا اِنعام پاوے۔"

(کشتی نوح)

خالد محمد خالد کی کتاب
"بارگاہِ عمرؓ میں" کا تیسرا باب

اِس لئے کہ تُو امیر المؤمنین کا بیٹا ہے

(عمرؓ)

(تسلسل کے لئے دیکھیں ماھنامہ انصار اللہ ماہ مارچ، اپریل ۱۹۸۵ء)

مومنوں کا امیر جس کا لشکر قیصر و کسریٰ کے قلعوں کو فتح کر رہا ہے وہ رات کے آخری حصہ میں مدینہ آنے والے قافلہ کا پہرہ دے رہا ہے بچے کا رونا آپ کی نیند حرام کر دیتا ہے یہاں تک کہ نماز میں گریہ کی حالت طاری ہے۔ آپ اِس واقعہ کو صرف ایک واقعہ نہیں سمجھتے بلکہ اُسی وقت قانون بناتے ہیں۔

لوگوں کی مشکلات کا کتنا عجیب احساس ہے اور حکومت کی مسئولیت کا کتنا انوکھا مظہر۔

قحط کے سال آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے دُور دراز حصہ میں لوگ قحط کی تکلیف سے کچھ زیادہ ہی دوچار ہیں۔ آپ اپنی پیٹھ پر آٹے کے دو تھیلے اُٹھاتے ہیں۔ آپ کا خادم اسلم زیتون کے تیل کا مشکیزہ اُٹھاتا ہے اور دونوں تیز تیز قدم اُٹھا کر اُن قحط زدگان کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ انہیں کھانا کھلاتے ہیں پھر اپنے خادم اسلم کو بھیج کر بیت المال کے اُونٹ منگواتے ہیں۔ اہلِ قافلہ کو سوار کر کے مدینہ کے اندر اپنے قریب اچھی جگہ دیتے ہیں اور اُن کی ہر ضرورت مہیّا کرتے ہیں۔

لوگ، لوگ، لوگ

یہ وہ نعرہ ہے جو دن رات عمرؓ کے قلب و ذہن میں اُبھرتا تھا۔ یہاں تک کہ دمِ واپسیں کے وقت جب آپ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا آپ کو لوگوں کی ہی فکر تھی۔

انتخابِ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کی مقرر کردہ کمیٹی کو بُلاتے ہیں۔ علیؓ، عثمانؓ، سعدؓ موجود تھے وہ آئے تو آپ میں بات کرنے کی سکت نہ تھی تاہم انہیں فرمایا

علیؓ! اگر تیرے سپرد خدا لوگوں کا معاملہ کر دے تو دیکھنا بنی ہاشم کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔

عثمانؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا:

عثمان! اگر تیرے سپرد خدا لوگوں کا معاملہ کر دے تو بنی ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر

مسلّط نہ کر دینا۔
سعدؓ سے کہا:
سعد! اگر تیرے سپرد خدا لوگوں کا معاملہ کر دے تو اپنے اقارب کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔

اور جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ تمام ممالک کا دورہ کرکے لوگوں کے حالات خود مشاہدہ کریں گے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا

"اگر مَیں زندہ رہا تو سال بھر رعیّت میں گھوموں گا۔ مَیں جانتا ہوں کہ لوگ اپنی ضروریات مجھ تک نہیں پہنچا سکتے۔ اُن کے والی بھی مجھ تک نہیں پہنچاتے۔ وہ خود مجھ تک نہیں آسکتے۔ مَیں شام جاؤں گا دو مہینہ وہاں ٹھہروں گا۔ دو جزیرہ میں دو مصر میں۔ دو بحرین میں دو کوفہ میں اور دو ماہ بصرہ میں۔"

اب ہم عمرؓ کی لوگوں کے بارہ میں مسئولیت، والیوں اور عمّال کے بارہ میں مسئولیت بیان کرتے ہیں۔

عمرؓ کس قدر اور کس حد تک اپنے حکّام اور والیوں کے بارہ میں اپنی مسئولیت سمجھتے تھے۔
عمرؓ اپنے والیوں کی غلطی کا جواب دِہ بھی اپنے آپ کو سمجھتے تھے خواہ آپ کو اُس کی غلطی کا علم ہو یا نہ ہو۔

اِس لئے آپ عمّال اور والیوں کا اِنتخاب بہت غور و فکر، اپنے ساتھیوں سے مشورہ اور خدا سے استخارہ کے بعد کرتے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"بتاؤ اگر مَیں اپنے علم کے مطابق تم پر بہتر والی مقرر کروں پھر اسے عدل و انصاف کی تاکید کروں تو کیا مَیں اپنی ذمّہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا؟

ساتھیوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ مَیں اُن کے عمل کو دیکھوں گا کیا میرے حکم کے مطابق انہوں نے عمل کیا یا نہیں؟

آپ فرماتے تھے:

"اگر میرا کوئی عامل ظلم کرتا ہے اور مجھے اُس کے ظلم کی خبر مل جاتی ہے اور مَیں اسے ظلم کا تدارک نہیں کرتا تو گویا ظلم مَیں نے کیا۔"

خالد بن عرفطہ کو آپ نے فرمایا:

"تو میرے پاس بیٹھا ہے تجھے میری نصیحت اسی طرح ہے جس طرح ملک کے دُور دراز حصّہ میں بسنے والے مسلمانوں کو۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اللہ نے ان کا معاملہ میرے سپرد فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ وہ اپنی رعایا کو دھوکا دینے والا تھا اُسے جنت کی ہوا تک نہ آئے گی۔"

عمرؓ اپنے والیوں کے بارہ میں یہی خیال کرتے تھے کہ جس طرح آپ اپنی مسئولیت کو سمجھتے تھے والی بھی اُسی طرح اپنی مسئولیت سمجھیں۔

لیکن یہ مشکل ہی نہیں ناممکن تھا...... آپ عہدہ دار کا انتخاب بہت احتیاط، باریک بینی اور بیدار مغزی سے کرتے۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر کسی کو خواہش ہو تو اُسے عہدہ نہیں دیتے تھے۔ اس بارہ میں آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار تھے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا

"بخدا ہم عہدہ طلب کرنے والے یا عہدہ کے حریص کو عہدہ نہیں دیتے۔"

اپنے معاونین کے انتخاب کے بارہ میں یہ آپ کا پہلا قدم تھا کہ عہدہ کے طلب اور طمع کرنے والے کو عہدہ سے دُور رکھا جائے کیونکہ جسے حکومت کی خواہش ہو اُسے تحکّم کی بھی خواہش ہوگی۔

جو حاکم اور والی بننا چاہتے ہیں وہ اپنی مسئولیت کو پورے طور پر ادا نہیں کرتے ورنہ وہ عہدہ سے بھاگتے اور اس سے دُور رہتے۔

ایک روز آپ نے اپنے ساتھیوں سے ایک کو ایک ملک کا والی مقرر کرنے کا دل میں ارادہ کیا۔ اگر آپ کا یہ ساتھی چند گھڑیاں صبر کرتا تو عمرؓ اس کو ولایت سپرد کرنے کے لئے بُلانے ہی والے تھے۔ لیکن ہمارے اس بھائی نے جلد بازی سے کام لیا۔ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس نے امارت طلب کی۔

عمرؓ خدا کی تقدیر پر مُسکرا دئے۔ تھوڑا غور کیا پھر اپنے ساتھی سے کہا:

"ہم نے یہ ارادہ کر لیا تھا لیکن جو امارت طلب کرتا ہے اللہ اس کی اِس بارہ میں پھر مدد نہیں کرتا نہ اُسے خدا سے راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔"

چنانچہ آپ نے اسے واپس لوٹا دیا اور یہ منصب کسی اور کے سپرد کر دیا۔

ہم نے دل میں خیال کیا کہ جس عہدہ کی مسئولیت اُٹھانے کی طاقت ہو اُس امانت کی حفاظت کا اعتماد بھی ہو اُسے طلب کرنے میں کیا حرج ہے۔

کیا یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو نہیں کہا تھا مجھے زمین کے محاصل کا محکمہ دے دیجئے میں اس کا علم بھی رکھتا ہوں اور اس امانت کا محافظ بھی ہوں گا۔

ہاں ہاں۔ یوسف صدیق نے ضرور یہ کہا۔ اور جب اُنہوں نے اِس منصب کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تو آپ نے اپنی زندگی اِس کے لئے وقف کر دی۔ آپ اُس سپاہی کی طرح تھے جو آگ بُجھانے کے لئے شعلوں میں کُود جائے۔ اُسے یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ سلامت آگ سے نکلے گا یا خاک ہو جائے گا۔

یہ درست ہے کہ انہوں نے ایک بلند منصب طلب کیا لیکن یہ منصب اُس وقت نفع مند سودا نہ تھا۔ یہ محض چھٹی تھا۔ یہ بہت بڑا بوجھ تھا کہ قحط و افلاس نے وہاں ڈیرے ڈال رکھے تھے اور ہر ذمہ دار مسئول اپنے افعال کی وجہ سے گریز کر رہا تھا اُس وقت ایک آدمی آگے بڑھتا ہے تاکہ وطن کو اِس مشکل سے نکالے۔ پس یہ منصب کا طالب نہیں یہ تو خطرات میں کُودنے والا محبِّ وطن ہے۔ یہ تو مشکلات کا شہسوار ہے۔

عمرؓ کو اِس فلسفہ کی ضرورت نہ تھی۔ اُن کے نزدیک یہ بات بہت واضح تھی کہ وہ والی کو مسئولیت کی اُس بلندی پر دیکھنا چاہتے تھے جس پر وہ خود متمکن تھے۔ اور جو بھی اِس نہج کو سمجھے گا وہ ولایت طلب کرنے کی بجائے اس سے گریز کرے گا۔ اور عمرؓ نے تو ولایت سے بڑھ کر خلافت سے گریز کیا۔ اگر حضرت ابوبکرؓ خلافت اُن کی گردن میں نہ ڈالتے تو آپ کبھی اس پر غور بھی نہ کرتے بلکہ اِس سے گریز کرتے جیسے کہ آپ نے کہا:

"میری گردن اُڑا دی جاتی تو اچھا تھا مجھے مومنوں کا امیر بننا پسند نہ تھا۔"

کیونکہ اِس تصوّر کے ساتھ جو امارت طلب کرتا ہے اس کے عواقب و انجام کی قباحت پر اُس کی نظر نہیں۔ یہ پہلی چیز تھی جو آپ اپنے والیوں سے چاہتے تھے۔ عہدہ میں بے رغبتی اور اس سے گریز۔ ہاں اگر مجبوراً اُس کے سپرد ہو جائے تو ڈرتے ڈرتے اس ذمّہ داری کو قبول کرے۔

اِس بارہ میں دوسرا وصف آپ یہ دیکھتے تھے کہ والی مضبوط اور امین ہو۔ اِس لئے جب آپ کسی کو والی منتخب فرماتے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے فرماتے:

"مَیں تجھے ان کے خُونوں، عزّتوں پر عامل نہیں مقرر کر رہا۔ یعنی یہ نہ ہو کہ اُن کے خُون بہائے اور عزّتوں کو لُوٹے۔ مَیں تجھے اِس لئے اُن کا عامل مقرر کر رہا ہوں تاکہ تُو اُن میں نماز قائم کرے۔ اُن میں اموال تقسیم کرے اور انصاف سے حکومت کرے۔"

پھر اُسے اِن نواہی سے اجتناب کی تاکید فرماتے:

- موٹے خوبصورت جانور پر سوار مت ہونا۔
- باریک کپڑے نہ پہننا۔ یعنی سادہ اور موٹا کپڑا استعمال کرنا۔
- آسودگی اور تنعّم کا کھانا نہ کھانا۔
- ضرورت مندوں کے لئے تیرا دروازہ بند نہ ہو۔

عمرؓ اپنے عمّال اور ان جائز طیّبات۔ موٹی سواری، باریک کپڑا اور ترنّعمہ کے درمیان کیوں حائل ہوتے تھے؟

اِس لئے کہ آپ چاہتے تھے وہ غرباء اور عوام کی معیشت اختیار کریں۔ وہ اپنے اصل مقام پر رہیں۔ یعنی لوگوں کے خادم نہ کہ اُن کے سردار۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے والی فتنہ یعنی آزمائش میں پڑیں، آسائش کا شکار ہوں اور حکومت کے نام پر امتیاز اور تحائف وصول کریں۔

اِس لئے آپ انہیں زیب و زینت اور تفوق کے مظاہروں سے روکتے خواہ یہ مظہر سواری کا جانور ہی کیوں نہ ہو۔ وہ کام کا جانور ہو نہ کہ تکبّر کا اظہار۔ وہ خدمت کے لئے ہو نہ کہ اظہارِ حُسن کے لئے۔ وہ ضرورت کے لئے ہو نہ کہ بناوٹ اور آسائش کا اظہار۔

وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ والی اپنی وجاہت کو گنوا دیں۔ وہ اُن کے لئے ایسی جائز وجاہت پسند کرتے تھے جس میں سرکشی اور تکبّر نہ ہو۔

آپ چاہتے تھے کہ لباس کی خوبصورتی کی بجائے اُن کا نفس صاحبِ جمال ہو۔ جھوٹے مظاہر اور جھوٹی شہرت کی بجائے اُن کے اعمال قابلِ تعریف ہوں۔

اُن کے تصوّر میں حاکم اور امیر کی صحیح تصویر کیا تھی اِس کا اندازہ اِس سے کیجئے:۔

ایک روز آپ نے اپنے بھائیوں سے کہا مجھے کوئی ایسا آدمی بتائیے جس کے سپرد میں کچھ اہم امور کر سکوں؟ انہوں نے ایک آدمی کا نام لیا۔ فرمایا۔ نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ اُنہوں نے پوچھا آپ کس قسم کا آدمی چاہتے ہیں؟ فرمایا:

"میں وہ آدمی چاہتا ہوں کہ جب وہ کسی قوم میں ہو۔ امیر نہ بھی ہو تو یوں معلوم ہو گویا وہ امیر ہے (یعنی احساسِ ذمّہ داری اور کام میں اِستعداد کے لحاظ سے) اور جب وہ اُن میں ہو اور امیر ہو تو معلوم ہو وہ اُن کا ایک فرد ہے۔"

عمرؓ! کیا خوب ہے تیری عقل اور کتنی پاکیزہ اور ذکی ہے تیری رُوح۔

دیکھو اور غور کرو!

عمرؓ امراء میں خوبی دیکھنا چاہتے تھے نہ کہ تکبّر اور تفوّق۔

وہ ایسے امراء نہ چاہتے تھے کہ باہر نکلیں تو ان کے گذرنے کے لئے راہ بند کر دئے جائیں۔ وہ گردنیں نہ پھلانگیں۔ وہ زمین پر عاجزی سے چلیں اور قناعت سے زندگی بسر کریں۔

ایسے امراء جو لوگوں میں گھل مل جائیں۔ صرف نیکی، عمل، کردار اور محنت وسعی سے ممتاز ہوں۔

اور یہ وصف ہم بہترین استاذ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتے ہیں۔ آپؐ اپنے صحابہؓ کو کام کرتے دیکھتے تو اُن کے ساتھ کام میں شریک ہو جاتے ہیں بلکہ زیادہ شدّت کا کام آپؐ اِنتخاب کرتے۔

ایک روز صحابہؓ سفر میں ایندھن اکٹھا کر رہے تھے آپؐ نے ان کے ساتھ شریک ہونا چاہا تو صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم جو ہیں پھر آپؐ کو تکلیف کی کیا ضرورت؟

تو آپؐ نے جواب دیا میں نہیں چاہتا کہ میں تم سے الگ تھلگ رہوں۔

ایک روز بعض صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے عرض کی۔ آپؐ ہمارے آقا و سردار ہیں۔ ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو شیطان تمہیں گمراہ نہ کرے۔ پھسلا نہ دے۔

ایک روز آپؐ تشریف لائے تو صحابہؓ آپؐ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے انہیں یہ کہہ کر منع فرمایا

"جس طرح اعاجم ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اسطرح مت کھڑے ہو"

عمرؓ کی مسئولیت والیوں کے بارہ میں یہیں نہیں رُک جاتی کہ وہ اِنتخاب درست کرتے تھے اور اُنہیں نصیحتیں اچھی کرتے تھے بلکہ آپ کی مسئولیت تقاضا کرتی تھی کہ اُن کی ولایت لوگوں کے لئے رحمت، فراخی اور امن کا موجب ہو۔

اور اِسی غرض کے لئے آپ حاکم کو محکوم کی نگرانی کے تحت رکھتے اور علاقہ کے لوگوں کی شکایت پر فوری طور پر ذاتی تحقیق فرماتے۔ اپنے والی کے چلن کی بیدار مغزی سے نگرانی فرماتے۔

حج کے ایّام میں حجّاج کی موجودگی میں بھرے مجمعے میں اپنے عمّال اور والیوں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر تقریر کی:

"اے لوگو! عمّال تمہاری طرف اِس لئے نہیں بھیجا تاکہ تمہیں ماریں پیٹیں اور نہ اِس لئے

کہ تمہارے اموال چھینیں، مَیں تو انہیں اِس لئے بھیجتا ہوں تاکہ تمہیں دین سکھائیں۔ جو اِس کے علاوہ کوئی کام کرے تو میرے پاس اُس کی شکایت کرو۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مَیں اُسے اُس سے قصاص دلواؤں گا۔"

عمروؓ بن عاص نے سمجھا یہ تو حاکموں اور والیوں کی مصیبت کے منافی ہے۔ اُنہوں نے کہا اگر کسی والی نے رعیّت کی تادیب کے لئے ایسا کیا تو کیا آپ اُس سے بھی قصاص لیں گے؟

عمرؓ نے جواب دیا۔ ہاں اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مَیں ایسا ہی کروں گا۔ مَیں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر قصاص دیتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا:

"مَیں نے جس کی پیٹھ پر کوڑا مارا تھا تو یہ میری پیٹھ ہے وہ اپنا بدلہ لے لے۔"

اور عمرؓ جو کہتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔ اگر کسی کے متعلق شبہ بھی ہو تو تحقیق فرماتے۔

ایک روز حمص سے ایک وفد آیا۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے اپنے والی عبداللہ بن قرط کے متعلق دریافت فرمایا۔ انہوں نے کہا۔ سب خیر ہے۔ اگر اپنے لئے ایسا آرام دہ مکان نہ بناتا۔

عمرؓ بار بار یہ لفظ دہراتے ہیں آرام دہ آسائش والا مکان۔ پھر بلند آواز سے کہتے ہیں:

آرام دہ آسائش والا مکان۔ واہ واہ ابنِ قرط۔

پھر اپنا قاصد بھیجا۔ اُسے کہا۔ پہلے اُس کے گھر کے دروازہ کو آگ لگانا۔ پھر اُسے میرے پاس لاؤ۔

قاصد حمص روانہ ہو گیا اور والی کو لے آیا۔ تین روز تک عمرؓ اس سے ملاقات نہیں کرتے۔ چوتھے روز اُسے ملاقات کا موقع دیا لیکن حرّۃ کے مقام پر جہاں بیت المال کے اُونٹ اور بکریاں رکھے جاتے تھے۔

وہ آیا تو عمرؓ نے حکم دیا اِس کا یہ فاخرہ لباس اُتروا کر چرواہے کا لباس اسے پہنایا جائے۔

پھر فرمایا "تیرا باپ جو لباس پہنتا تھا یہ اُس سے بہتر لباس ہے۔" پھر اُس کے ہاتھ میں ایک سونٹا دیا اور فرمایا تیرا باپ جس سونٹے سے پتے جھاڑتا تھا یہ سونٹا اُس سے اچھا ہے۔ پھر اُونٹوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا جاؤ ان کو چراؤ۔ پھر اُس کو بُلایا اور ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا

کیا مَیں نے تجھے عمارتیں بنانے اور انہیں چُونا گچ کرنے کے لئے بھیجا تھا؟ اب جا اپنے کام پر۔ دیکھنا پھر ایسا نہ کرنا۔

یہ آپ کا موقف اُس شخص کے بارہ میں تھا جس کے بارہ میں وہاں کے لوگوں نے کہا تھا:

بہتر امیر ہے۔ کاش آسودہ مکان سے آپ کو ممتاز نہ کرتا۔

تم کہو گے یہ تو کہانیاں ہیں۔ نہیں۔ اگر کہانیاں ہوتیں تو ان کی تصدیق مشکل ہو جاتی لیکن انسانیت کی خوش قسمتی ہے کہ عمرؓ کہانی نہ تھے —— وہ تو ایسی حقیقت تھے جس کے زمان و مکان بھرے ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں کے لئے خدا کی ہدایت اور راہنمائی تھے۔ اُس قادر خدا کی منشاء یہ ہے کہ تم ایسے ہو جاؤ۔

——— ٭ ———

یہ اُس وقت کی بات ہے جب فارس اور اس کے حلیف نہاوند میں اکٹھے ہو رہے تھے اور سعد بن ابی وقاص اُن کے عظیم لشکر کے مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے۔ مدینہ میں سعد بن ابی وقاص کی شکایت موصول ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ بغیر کسی انتظار کے سعدؓ کو مدینہ بُلاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی انتظار نہیں کیا کہ معرکہ ختم ہو جائے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو سعدؓ کو وہاں نہیں رہنا چاہیئے خواہ مسلمانوں کو نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ عمرؓ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر قائد یا لشکر سیئات کا مرتکب ہے تو خدا کی نصرت میں تخلف ہو جاتا ہے۔

اِن حالات میں حضرت عمرؓ محمد بن مسلم کو شکایت کی تحقیق کے لئے بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر شکایت درست ہو تو سعدؓ مدینہ واپس آجائے۔

محمد بن مسلم جاتے ہیں۔ والی اور فاتح اعظم سعدؓ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں میں لئے پھرتے ہیں۔ اُن کی رائے دریافت کرتے ہیں۔ اکثر لوگ ان کے متعلق کلمۂ خیر ہی کہتے ہیں لیکن بعض شکایت کرتے ہیں۔ بالآخر محمد بن مسلم ان کو ساتھ لے کر مدینہ آتے ہیں۔

اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ عمرو بن عاص ایک عظیم فاتح اور عظیم حاکم تھا۔ ایک مصری مصیبت زدہ نوجوان نے دربارِ خلافت میں ان کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے وضاحت طلب کی تو معلوم ہوُا کہ عمرو بن عاص کے بیٹے محمدؐ سے اِس کا دوڑ میں مقابلہ ہوُا۔ یہ مصری نوجوان عمرو بن عاص کے بیٹے سے آگے نکل گیا تو اِسے محمد نے مارا پیٹا۔ جب یہ پیٹتا تھا تو کہتا تھا "ہم معزّزین کی اولاد ہیں"۔

حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص اور اُس کے بیٹے کو بُلوا بھیجا۔ موقع کے گواہ حضرت انسؓ کو بھی طلب فرمایا راوی بیان کرتا ہے ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ عمرو بن عاص آئے۔ حضرت عمرؓ اس کے بیٹے کے بارہ میں تحقیق کرتے رہے۔ آپ نے دیکھا کہ عمرو بن عاص کا بیٹا اپنے باپ کے پیچھے کھڑا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ وہ مصری کہاں ہے۔ اُس نے عرض کیا امیر المؤمنین میں یہاں ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ لو یہ دُرّہ اور اِس سے "شرفاء کی اولاد" کو مارو۔

راوی کہتا ہے کہ اُس مصری نے عمرؓو بن عاص پر کوڑے برسانے شروع کئے۔ اور ہم چاہتے تھے کہ

ابھی اَور پڑیں لیکن جب اُس نے زیادہ کوڑے برسائے تو ہم نے کہا اب اِس کو رُک جانا چاہیئے اور عمرؓ کہتے جاتے تھے مار شرفاء کی اولاد کو۔ پھر عمرؓ نے کہا اب عمرو بن عاص کی گنجی کھوپڑی پر کوڑے برسا۔ خدا کی قسم اس نے اِس کے والی ہونے کی وجہ سے تجھے مارا تھا۔

تب اُس مصری نوجوان نے کہا امیرالمؤمنین میرا حق مجھے مل گیا۔ میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا۔ جس نے مجھے مارا تھا میں نے اُسے مار لیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم اگر تُو مارتا تو ہم تیرے اور اِس کے درمیان حائل نہ ہوتے یہاں تک کہ تُو خود اِنہیں چھوڑتا۔

پھر آپ عمروؓ بن عاص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا؟"

پھر اُس مصری سے کہا۔ اب سیدھا اپنے گھر جا اور پھر تجھے کوئی شکایت ہو تو مجھے لکھنا۔

یہ وہ عمرو بن عاص تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کبار صحابہؓ میں سے ایک صحابی تھے۔ اسلام نے جن عظیم ممالک کو فتح کیا اُن میں سے ایک اقلیم کے حاکم تھے لیکن اُن کا لڑکا سزا سے نہیں بچا۔ اور اگر وہ نوجوان معاف نہ کرتا تو سزا عمرو بن عاص کو بھی مل جاتی۔

—— ❋ ——

عمرؓ کا یہ قطعی موقف تھا جو آپ ولایت کے حق کو غلط استعمال کرنے والوں کے متعلق اختیار فرماتے۔ آپ کا یہ موقف ایک دوسرے موقع پر ایک اَور نظارہ پیش کرتا ہے۔

آپ کے ایک اَور والی سعید بن عامر کے بارہ میں غلط شکایت ہوتی ہے تحقیق پر وہ غلط ثابت ہوئی تو عمرؓ شفقت اور رشک سے گداز ہو جاتے ہیں۔

سعید بن عامر جمحی کے متعلق یہ شکایت موصول ہوئی کہ

(۱) یہ گھر سے دیر سے باہر نکلتے ہیں۔

(۲) یہ رات کو کسی کی بات نہیں سُنتے۔

(۳) مہینہ میں ایک دن ایسے غائب ہوتے ہیں کہ نہ یہ کسی کو نظر آتے ہیں نہ کوئی انہیں دیکھ سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے انہیں شکایت کرنے والوں کے سامنے بُلایا پھر شکایت کرنے والوں کو فرمایا اب بات کرو۔ اُن لوگوں نے اپنی شکایات کو دُہرایا۔ تب آپ نے سعید کو جواب کے لئے کہا۔

وہ بولے۔ امیر المؤمنین! خدا کی قسم مَیں اِس کا سبب بیان کرنا نہ چاہتا تھا۔

"میرے پاس کوئی نوکر نہیں۔ مَیں اہل وعیال کا اُن کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتا ہوں۔ اُن کے ساتھ ہو کر آٹا گوندھتا ہوں۔ پھر مَیں اپنے لئے خود روٹی پکاتا ہوں۔ پھر وضو کر کے گھر سے باہر آتا ہوں"۔

حضرت عمرؓ کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے شکایت کرنے والوں سے فرمایا اَور کیا شکایت تھی۔ اُنہوں نے کہا رات کو یہ کسی کی نہیں سُنتے۔

سعید نے عرض کیا:

"خدا کی قسم مَیں اِس کا بھی ذکر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مَیں نے دِن ان کے لئے وقف کر رکھا ہے اور رات خدائے عزّ وجلّ کے لئے"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اَور تمہیں کیا شکایت ہے؟ انہوں نے کہا مہینہ میں ایک دن یہ کسی کے سامنے نہیں ہوتے۔

حضرت سعیدؓ نے کہا میرا کوئی خادم نہیں جو میرے کپڑے دھوئے اس دن مَیں خود کپڑے دھوتا ہوں پھر ان کو سُکھاتا ہوں۔ پھر دن کے آخری حِصّہ میں اِن میں آ جاتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے یہ وضاحت سُنی تو چہرہ پر خوشی کے آثار غالب ہوئے۔ فرمایا

"اللہ کا شکر ہے کہ میری فراست غلط ثابت نہیں ہوئی"۔

آپ نے عمیر بن سعد کو حمص کا والی بنا کر بھیجا۔ ایک سال ہو گیا اُس نے نہ خراج بھیجا نہ اُس کی کوئی خبر موصول ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے منشی کو کہا

"عمیر کو لکھو مجھے خیانت کا ڈر ہے"۔

اور اُسے واپس بُلاؤ۔

اور پھر ایک دن مدینہ کی گلیوں نے ایک پراگندہ بال غبار آلود شخص دیکھا۔ اُس پر سفر کے آثار تھے۔ لمبے سفر کی مشقّت اور تکلیف کی وجہ سے اُس کی چال اُکھڑی ہوئی تھی۔ اُس کے دائیں کندھے پر ایک تھیلا اور پیالہ تھا بائیں پر پانی کا مشکیزہ تھا۔ وہ سوٹے کے سہارے چل رہا تھا۔ وہ بھاری قدموں سے عمرؓ کی بارگاہ میں پہنچا۔

"امیر المؤمنین آپ پر سلامتی ہو"۔

حضرت عمرؓ نے وعلیك السّلام کہا۔ اُس پر تھکاوٹ کے آثار مشاہدہ کئے۔ فرمایا

عمیر! تیرا کیا حال ہے۔ عرض کیا میرا حال آپ دیکھ رہے ہیں۔ جسم ٹھیک، خون پاک ہے۔ اپنی دُنیا کو

سینگوں سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تیرے پاس کیا ہے۔ عمیر نے عرض کی یہ میرا تھیلا ہے جس میں میری زادِ راہ ہے۔ پیالہ ساتھ ہے اِس میں کھانا کھاتا ہوں۔ مشکیزہ میں وضو اور پینے کا پانی ہے۔ یہ میرا سوٹا ہے جس پر ٹیک لگاتا ہوں۔ اگر دشمن سامنے آجائے تو اِس سے کام لیتا ہوں۔ میری دُنیا یہی میرا سامان ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تو کیا پیدل آئے ہو؟ عمیر نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا کسی نے سواری کیلئے جانور بھی نہ دیا؟ عرض کی نہ انہوں نے دیا نہ مَیں نے مانگا۔ فرمایا جو کام ہم نے تیرے سپرد کیا تھا اُس کا کیا کیا؟ عرض کیا:

> جس شہر میں آپ نے بھیجا تھا وہاں گیا۔ اُس کے نیک لوگوں کو اکٹھا کیا اُنہیں بتایا کہ اُن پر کونسے محاصل واجب ہیں۔ جب انہوں نے ادا کر دئے تو مَیں نے صحیح جگہ اور مقام پر اُنہیں خرچ کر دیا۔ اگر کچھ بچتا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر کرتا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تو کچھ بھی نہیں لائے؟ والی نے نفی میں جواب دیا۔
حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے فرمایا اِسے پھر اس کے عہدہ پر واپس بھجوائے۔
عمیر نے عرض کیا۔ وہ ایّام گذر گئے۔ مَیں نے یہ آپ کے لئے نہیں کیا نہ کسی اَور کے لئے اِس کے بعد کروں گا۔

والی کے لئے بڑی مصیبت یہ تھی کہ وہ عمرؓ کو کوئی ہدیہ بھجوانے کا سوچے۔ اور حق یہ ہے کہ ان کو اتنی عقل وسمجھ تھی کہ وہ ایسا نہ کریں۔ ایک بار ایک نیک والی ابوموسیٰ اشعری نے ایسا کیا۔

ایک روز امیرالمؤمنین گھر آئے تو آپ نے دیکھا کوئی گز بھر کا جائے نماز ہے۔ آپ نے اپنی بیوی عاتکہ سے فرمایا یہ تیرے پاس کہاں سے آیا۔ انہوں نے کہا ابوموسیٰ اشعری نے ہدیہ بھیجا ہے۔ فرمایا بُلاؤ ابوموسیٰ کو۔ ابوموسیٰ ڈرتے ڈرتے آئے۔ دیکھا عمرؓ کے دائیں ہاتھ میں جائے نماز ہے اور چہرہ سے خفگی کے آثار ہیں۔ ابوموسیٰ نے یہ کیفیّت دیکھی تو عرض کی امیرالمؤمنین جلدی نہ کیجئے۔ لیکن امیرالمؤمنین نے جلدی سے ابوموسیٰ اشعری کے سر پر جائے نماز مارا فرمایا:

> کِس بات نے تجھے اِس پر اُکسایا۔ یہ لے لو ہمیں اِس کی ضرورت نہیں۔

اِسی طرح اُسے مصیبت آجاتی جو اِس عظیم آدمی کو کسی غیر مستحق کی سفارش کرتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ کی بیوی عاتکہ نے بڑے سکون کے وقت میں کسی والی کی کوئی سفارش کی۔ اِتنا ہی انہوں نے کہا تھا امیرالمؤمنین آپ اس پر غصّہ کس سبب سے ہیں؟

عمرؓ کو سخت غصّہ آیا۔گویا اللہ کے دین کا کوئی ستون گر گیا۔ آپ نے بآوازِ بلند فرمایا: خدا کی دشمن تجھے اِس سے کیا واسطہ؟

اگر بیوی کوئی مشورہ یا رائے دیتی تو آپ مشورہ قبول کر لیتے۔ رائے پر غور کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک معزّز خاتون نے مہر کی حدبندی کے بارہ میں آپ کی رائے کے خلاف کہا تو آپ نے بہت تعجّب اور عاجزی سے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

لیکن یہاں عمرؓ نے یہ محسوس کیا کہ میری مسئولیت میں بغیر پوچھے اس نے مداخلت کی اور اِس میں سفارش کا رنگ ہے اِس لئے عمرؓ خاموش نہ رہے اور نظر انداز بھی نہ کیا۔

یہ آپ کی مسئولیت والیوں کے بارہ میں تھی۔ اب ہم آپ کی اُمّت کے اموال کے بارہ میں مسئولیت ملاحظہ کرتے ہیں۔یہاں بھی ہمیں ایسی مسئولیت نظر آتی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دِل کی دھڑکن رُک جاتی ہے۔

آغاز ہم اس عظیم واقعہ سے کرتے ہیں۔عبداللہ بن عامر بن ربیعہ روایت کرتے ہیں:

"مَیں عمر بن خطاب کے ساتھ مدینہ سے مکّہ حج کے لئے گیا پھر واپس بھی آیا۔ نہ کوئی آپ کے لئے خیمہ لگایا گیا نہ قناتیں لگائی گئیں۔ درخت پر چادر ڈال کر اُس کے سایہ میں بیٹھ جاتے۔ بشّار بن نمیر بیان کرتے ہیں آپ نے پوچھا اِس حج پر کتنا خرچ آیا؟ مَیں نے عرض کی پندرہ دینار۔ فرمایا یہ بھی اسراف ہے۔"

آپ نے مشاہدہ کیا جس کے ہاتھوں میں کسریٰ و قیصر کے اموال آئے وہ شعلہ زن صحراء میں سے گذر کر حج کے لئے جاتا ہے۔سفر کی ضروریات ساتھ نہیں لیتا۔ اُسی طرح گرمی کے تھپیڑے برداشت کرتا ہے جس طرح دوسرے لوگ۔ سفر میں پندرہ دینار خرچ کرتا ہے پھر بھی کہتا ہے ہم نے اسراف کیا!!

امیرالمؤمنین بننے سے پہلے آپ تاجر تھے تجارت کر کے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گذارہ کرتے۔ جب یہ نئی ذمہ داری سنبھالی تو بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اتنا ہی لیا جس سے بمشکل گذارہ ہو سکے۔ جُوں جُوں دن گذرتے گئے آپ کی ضروریات اور اخراجات میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ جب بھی آسائش ہوئی آپ نے مدینہ کے رہنے والے اور باہر رہنے والے افراد کے گذارے میں اضافہ کیا لیکن اپنے گذارے میں ایک درھم کا بھی اضافہ نہ کیا یہاں تک کہ صحابہؓ کو علم ہُوا کہ عمرؓ اپنے گذارے کے لئے قرض لے رہے ہیں چنانچہ چند صحابہ عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ عمرؓ سے گذارش کریں کہ اپنے گذارہ میں کچھ اضافہ منظور فرما دیں لیکن عمرؓ سے اِس بارہ میں بات کرنے سے وہ ڈرتے تھے کیونکہ وہ جانتے

تھے کہ اس کا ردِ عمل اچھا نہ ہوگا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا ہم پیچھے رہتے ہیں سامنے نہیں آتے۔ چنانچہ وہ آپ کی بیٹی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی غرض کو بغیر ظاہر کئے حضرت عمرؓ کے حالات دریافت کئے اور اُن سے کہا آپ حضرت عمرؓ کی اِس بارہ میں رائے معلوم کریں۔

حضرت حفصہؓ بھی ڈرتے ڈرتے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بڑی احتیاط سے انہوں نے حضرت عمرؓ سے بات کی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے اس غرض کے لئے کس نے میرے پاس بھیجا؟ حضرت حفصہؓ نے کہا کسی نے نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے کسی اور نے بھیجا ہے اگر مجھے پتہ چل جائے تو مَیں اُن سے محاسبہ کروں۔

پھر اپنی بیٹی سے کہا تُو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہے۔ آپؐ گھر میں کتنے کپڑے جمع کرتے تھے۔

حفصہؓ نے جواب دیا دو کپڑے۔ فرمایا سب سے اچھا کھانا آپؐ کیا تناول فرماتے تھے۔ کہا جَو کی تازہ روٹی گھی میں ملی ہوئی۔ فرمایا تمہارے گھر میں آپؐ کا بستر کیا ہوتا۔ کہا موٹی چادر گرمیوں میں نیچے بچھا لیتے سردیوں میں آدھی نیچے بچھا لیتے آدھی اُوپر لے لیتے۔

فرمایا۔ حفصہؓ! جنہوں نے تجھے بھیجا ہے اُنہیں میری طرف سے یہ بات پہنچا دے کہ میری مثال اور میرے دونوں ساتھیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کی مثال اُن تین آدمیوں کی ہے جو ایک راہ پر گامزن ہوئے۔ پہلا راہ پر چلتا رہا اپنے زادِ راہ کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچ گیا پھر دوسرا اُس راہ پر چلا وہ بھی اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ پھر تیسرا اُن کے پیچھے چلا اگر اُن کی راہ پر چلتا رہا اور اُن دونوں کے زادِ راہ پر راضی رہا تو اُن سے جا ملے گا۔ اور اگر اُن دونوں کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ پر چلا تو اُن کے ساتھ نہ مِل سکے گا۔

کیا اس پر کسی حاشیہ یا تشریح کی ضرورت ہے۔ ہرگز نہیں۔ اِسے ہم بغیر کسی تشریح کے ختم کرتے ہیں۔

قیامت ٹوٹ پڑتی جب عمرؓ سنتے کہ بیت المال کا ایک درہم کسی نے اُٹھا لیا یا فضول خرچی ہوگئی یا بغیر ضرورت کے خرچ ہؤا۔ گویا سارا بیت المال لُٹ گیا نہ کہ ایک یا آدھا درہم۔ آپ حلف اُٹھا کر کہتے اگر بیت المال کا ایک اُونٹ دجلہ یا فرات کے کنارے ضائع ہو جائے اور عمرؓ مدینہ میں ہو تو ڈرتا ہوں کہ خدا اُس اُونٹ کے بارہ میں مجھ سے جواب طلب کرے گا۔

ایک سخت گرم دن جبکہ گرمی سے پہاڑوں کے پتھر بھی پگھل رہے تھے حضرت عثمانؓ نے اپنے بلند

مکان سے دیکھا کہ ایک شخص دو چھوٹے اونٹوں کو ہانکے لئے جا رہا ہے۔ گرم ہوا اور جھلس دینے والی لُو کی وجہ سے وہ نظر نہیں آ رہا۔

آپ نے خیال کیا یہ شخص دن ڈھل لینے دیتا۔ ذرا گرمی کا زور ٹوٹ جاتا؟ پھر آپ نے اپنے خادم سے کہا وہ دُور کون جا رہا ہے۔ آندھی اور ریت کی وجہ سے اُس کے نقوش نظر نہیں آ رہے۔ خادم نے دروازے کی روزن سے دیکھا۔ عرض کی کوئی شخص ہے جس نے چادر سے سر اور مُنہ ڈھانپا ہوا ہے دو اُونٹ ہانکے لئے جا رہا ہے اور نوکر انتظار میں رہا۔ جب وہ شخص قریب آیا تو نوکر نے پہچان لیا اُس نے چلّا کر کہا یہ عمرؓ ہیں۔ یہ امیر المؤمنین ہیں۔

عثمانؓ نے آندھی اور گرم لُو سے بچاتے ہوئے چھوٹی سی کھڑکی سے سر باہر نکالا اور کہا:

امیر المؤمنین! اِس وقت کس چیز نے آپ کو باہر نکلنے پر آمادہ کیا؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا بیت المال کے دو اُونٹ چراگاہ سے نکل گئے مجھے خیال آیا یہ ضائع نہ ہو جائیں اور خدا مجھ سے ان کے بارہ میں جواب طلبی فرمائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے عرض کی یہاں سایہ میں آ جائیں۔ پانی نوش فرمائیں۔ ہم یہ کام کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ عثمانؓ! اپنے سایہ میں لَوٹ جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے دوسری مرتبہ عرض کی امیر المؤمنین ہمارے پاس آدمی ہے جو آپ کی جگہ یہ کام کرے گا۔ آپ نے پھر عثمانؓ سے کہا عثمانؓ اپنے سایہ میں پلٹ جاؤ اور عمرؓ نے اپنی راہ لی۔ اور گرمی چٹانوں کو پگھلا رہی تھی۔ عثمانؓ ششدر رہ گئے اور اتنا کہا جس نے قوی امین دیکھنا ہو وہ عمرؓ کو دیکھ لے!! اور قوی امین اپنی مسئولیت اتنی ہی نہیں سمجھتا کہ اُمّت کے اموال کی حفاظت کرے اور بس۔ وہ انہیں بڑھانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً آپ مفتوحہ ممالک کی زرعی زمین فاتحین میں تقسیم نہیں فرماتے کیونکہ اِس کے نتیجہ میں ایک ایسا طبقہ جنم لیتا جو کھانے پینے کی اشیاء ناجائز ذخیرہ اندوزی کرتا۔ آپ زمین کاشت کرنے والوں کے پاس رہنے دیتے ہیں اور ان سے صرف خراج وصول کرتے ہیں۔ جو حصّہ رسدی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔

جن زمینوں کا کوئی مالک نہ تھا آپ اُن بے آباد زمینوں کی آبادی کی حوصلہ افزائی فرماتے کیونکہ ان کے بارہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بے آباد زمینوں کو آباد کرتا ہے وہ اُسی کی ملکیت ہیں۔ اور جب امیر المؤمنین نے دیکھا کہ لوگوں نے بے آباد زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے اُس کے گرد دیوار کھینچ لی ہے۔ نہ کاشت کی ہے نہ باغ لگایا ہے تو آپ نے قانون وضع کیا کہ قابض کو تین سال کی مُہلت دی جاتی ہے اِس عرصہ میں اگر اُس نے زمین کو آباد نہ کیا، کاشت نہ کیا یا باغ نہ لگایا یا گھاس اور چارہ نہ اُگایا تو زمین اُس سے

لے کر کسی دوسرے آباد کرنے والے شخص کو دے دی جائے گی۔

اِس طرح آپ مسلمانوں کو کسبِ معاش کی ترغیب دیتے۔ اُن کو صاف ستھری تجارت کی تلقین فرماتے۔ فرمایا

"کل تمہارے بیٹے پوتے ہوں گے یہ جو آج تمہارے پاس ہے کل اِس سے کیا ہو گا"۔

آپ جانوروں کے لئے چراگاہیں مخصوص فرماتے جن میں مسلمانوں کے جانور بغیر کسی معاوضے کے چرتے۔ آپ ذاتی طور پر ان چراگاہوں کی نگرانی فرماتے۔ کبھی دوپہر کو سر پہ گرمی سے بچاؤ کے لئے چادر رکھ کر وہاں تشریف لے جاتے۔ چوکیدار کو تاکید فرماتے کہ اِس میں سے کوئی درخت نہ کاٹے۔ کلہاڑی سے کسی درخت کا ستیہ ناس نہ کرے۔

حضرت عمرؓ کی وفات سے قبل قومی آمد میں معتدبہ اضافہ ہو گیا۔ آپ نے ہر فرد کے لئے سالانہ گذارہ مقرر فرمایا خواہ وہ شخص دار الخلافہ مدینہ میں رہتا ہو یا دوسری جگہ۔

خالد بن عرفطہ نے آپ سے ایک دن کہا :

امیر المؤمنین ! لوگ آپ کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کی عمریں بھی آپ کو خدا دے دے۔

جنگِ قادسیہ میں شریک ہونے والے ہر فرد کے لئے دو ہزار یا پندرہ صد ہر پیدا ہونے والے بچے کے لئے ایک سو ماہانہ مقرر کئے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جب بالغ ہو جائے تو پانچ سو یا چھ سو۔

عمرؓ افزائش دولت کے لئے کوشاں رہتے۔ لیکن عمرؓ کے لئے دولت انسان کی خدمت کے لئے تھی نہ کہ انسان دولت کی خدمت کے لئے۔

اِس لئے آپ اُس والی پر سخت ناراض ہوتے جو مدینہ میں خراج کی بڑی رقم بھجواتا تاکہ امیر المؤمنین اُس سے خوش ہوں۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ ہر علاقہ کی زکوٰۃ اور مال اُس علاقہ کے باشندوں میں تقسیم ہو۔ ہاں اگر اُن سے بچ جائے تو دار الخلافہ میں بھجوا دی جائے۔

آپ نے عمّال کو حکم دیا تھا کہ ٹیکسوں میں نرمی، انصاف اور رحم سے کام لیا جائے۔

ایک روز ایک اقلیم سے بہت زیادہ مال آیا آپ نے اُس کے مصدر اور کثرت کی وجہ دریافت کی تو آپ کو بتایا گیا اِس میں مسلمانوں کی زکوٰۃ شامل ہے اور اہلِ کتاب کا جزیہ۔ آپ نے مال کی کثرت دیکھ کر فرمایا

میرا خیال ہے تم نے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے ؟

کہا۔ بخدا ایسا نہیں۔ ہم نے چھوٹ دے کر، انصاف سے مال لیا ہے۔ فرمایا بغیر مارنے اور باندھنے کے لیا ہے؟

عرض کیا ہاں ۔ اس پر آپ نے فرمایا :

خدا کا شکر ہے جس نے میری سلطنت اور مجھ میں یہ نہیں رکھا ۔

آپ اہلِ کتاب قرضدار کا ٹیکس معاف کر دیتے کیونکہ یہ ٹیکس اُسے ذلیل کرنے کے لئے نہیں تھا یہ تو آمدنی کا ٹیکس تھا اس لئے اگر وہ ادائیگی سے قاصر ہے تو آپ فوراً اُسے ساقط کر دیتے ۔

—— ٭ ——

آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں ۔ یہ ہیں عمرؓ —— جواب دِہ حاکم ۔ اور یہ تھا آپ کی مسئولیت کا حال ۔ یہ وہ شخص تھا جس کے لشکر روم اور فارس کے مظالم کا ازالہ کر رہے تھے اور ان کا زور توڑ رہے تھے ۔ وہ مدینہ کی گلیوں میں چلا جا رہا ہے اور اُس کے لباس پر پیوند لگے ہوئے ہیں ۔ وہ جمعہ کی نماز میں تاخیر سے آتے ہیں تو منبر پر چڑھ کر معذرت کرتے ہیں ۔

" مجھے اِس قمیص نے روکے رکھا میرے پاس کوئی دوسری قمیص نہ تھی "

آپ کی مبارک مسئولیت نے آپ کو انتہائی مقام اور بلندی پر سرفراز فرمایا اِس لئے آپ کے تمام تصرفات انسانی کمال کی انتہاء تک پہنچے ۔

آپ کی اور آپ کے اہل و عیال کی مسئولیت نے آپ کو تمام فائدوں سے محروم کیا ۔

یہ آپ کی مسئولیت ہی تھی کہ آپ والیوں کا انتخاب خود کرتے ۔ اُنہیں تلوار سے تیز اور بال سے باریک راستہ پر چلاتے ۔ اُمت کے اموال کی مسئولیت نے آپ کو حفاظت اور زُہد کے اِنتہائی مقام پر رکھا ۔ سرکشوں اور نافرمانوں کی مسئولیت نے آپ کو سختی اور احتیاط کے اِنتہائی مقام پر رکھا ۔ کمزوروں ، غرباء کی مسئولیت نے آپ کو انتہائی نرم کیا ۔

آپ کی مسئولیت آپ کی قیادت کرتی تھی ۔ اور آپ اُس کے ساتھ عابد اور اوّاب رُوح کی طرح چلتے ۔

آپ کی چلن کی عظمت آج بھی سُورج کی شعاع کی طرح راہ کو روشن کر رہی ہے ۔

سُنو! حاکم عمرؓ تاریخ کے تمام حاکموں کو تھکاتا ہے اور ان کی مسئولیت کو عظیم کرتا ہے ۔ باوجود اِس کے کہ عمرؓ نہ معبود تھے نہ فرشتہ نہ پیغمبر جس کی طرف وحی کی جاتی ہے ۔ وہ لوگوں میں سے ایک فرد تھے ۔ اپنی رائے سے اجتہاد کرتے پھر عزم لے کر کھڑے ہو جاتے ۔ عمرؓ نے کوشش کی عدل ، رحم ، امانت کے اِنتہائی تقاضے تک پہنچیں پھر جب دوسرے عزم ہی نہ کریں تو ان کا کیا عذر ہو سکتا ہے ۔

حاکم عمرؓ ۔ ہر حاکم پر خدا کی حجّت ہیں ۔ اگر کوئی حاکم حساب کی گھڑی پر کہے اے پروردگار میں عاجز آ گیا ۔ خدا اس سے کہے گا عمرؓ کیوں عاجز نہ آیا ؟

کینیڈا سے ایک مکتوب

مکرم حسن محمد خان صاحب عارف نے مینیجر صاحب انصار اللہ کے نام جو خط لکھا اسکے کچھ اقتباسات قارئین کی دلچسپی اور معلومات کی خاطر شائع کئے جا رہے ہیں۔

(ادارہ)

یہاں کے رسائل کا یہ حال ہے کہ آپ کسی رسالہ کے سٹینڈ پر کھڑے ہو جائیں تو دُنیا کا کوئی موضوع نہیں جس پر اِس ملک میں رسالہ نہیں چھپتا۔ موٹریں۔ موٹر سائیکلیں۔ سائیکلیں۔ ہوائی جہاز، لباس۔ دلہن دولہا۔ رنڈی بازی۔ سبزی۔ باغبانی۔ ٹریکٹر۔ ریسنگ۔ فٹ بال۔ باسکٹ بال۔ کھلونے، سڑکیں۔ دیہاتی زندگی۔ شہری زندگی۔ گھریلو زندگی۔ دفتری زندگی۔ غرض خدا جانے کیسے کیسے موضوع پر رسائل نکلتے ہیں۔ ننگے اور فحش رسالوں کی تعداد جو مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے وہ ایک سَو سے اُوپر ہے اور یہ تعداد بہت کم ہے۔ اِس قِسم کے رسالوں کی ہر تصویر ایسی ہے جس پر جو بھی ماتم کیا جائے تھوڑا ہے۔ اِن رسالوں پر پابندی صرف یہ ہے کہ جہاں رسالے رکھے ہوتے ہیں اُس سٹینڈ پر پانچ فٹ سے اُوپر رکھا جائے لیکن جس نے یہ دیکھنا ہے وہ تو چاہے چھت پر رکھ دو وہ دیکھ لے گا۔ اور سب رسالے کُھلے پڑے ہیں۔ دیکھو۔ پڑھو۔ چاہو تو خرید و چاہو نہ خریدو۔ بعض تماش بین صرف دیکھ کر ہی چسکا پُورا کر لیتے ہیں۔ ہر رسالہ آرٹ پیپر پر چھپتا ہے۔ اور شاذ ہی کوئی رسالہ ہو گا جس میں پانچ رنگ کی تصویر نہ ہوتی ہو۔ رسالوں کے نمائندوں کی ذمّہ داریوں کا کچھ نہ پوچھیں رات کو ایک بجے اگر ضرورت ہوتی ہے تو اُسے فوراً جائے واردات پر پہنچنا پڑتا ہے خواہ برفباری ہو یا آگ لگی ہو یا شدید بارش ہو۔ جو کام اُس کے سپرد کیا ہے وہ بہر حال اسے پورا کرتا ہے خواہ اُسے دس گھنٹے روزانہ کام کرنا پڑتا ہے خواہ سولہ گھنٹے۔ کمریں ٹوٹ جاتی ہیں لیکن حقوق کا جب سوال آتا ہے تو یہ اپنے نمائندوں کو جی کھول کر ادا کرتے ہیں۔ جو ٹھاٹھ والی تنخواہیں شمار ہوتی ہیں اُن میں اخباروں، رسالوں ریڈیو اور ٹی وی کے نمائندے شامل ہیں۔ انہیں کمپنی کی طرف سے کریڈٹ کارڈ ملے ہوتے ہیں۔ اگر انہیں کسی نہایت گرم خبر کے لئے کینیڈا سے پاکستان یا ہندوستان پہنچنا ہے تو صرف کمپنی کے ہیڈ آفس کو فون کر دیتا ہے کہ مَیں پاکستان فلاں کام کے سِلسلہ میں جا رہا ہوں اور ایئر کمپنی کو اس کریڈٹ کارڈ کے دکھلنے

پر فرسٹ کلاس کا ٹکٹ مل جائے گا اور پاکستان جا کر دہلی مسلم ہوٹل یا شہباز ہوٹل میں قیام نہیں ہو گا نہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔ ہلٹن ہوٹل یا انٹر کانٹی ننٹل سے کم میں وہ قیام نہیں کرے گا۔ اور پیسے تو اس نے دینے نہیں صرف کریڈٹ کارڈ دکھاتا ہے اور ہوٹل رسالہ والوں سے خود اُس کا کرایہ اور اخراجات قیام وصول کرے گا۔ کریڈٹ کارڈ بالکل اُسی قسم کا ہے جیسے ہمارے ہاں پاکستان میں آئیڈنٹی کارڈ ہے۔ یہ یہاں پر پلاسٹک کا بنا ہوتا ہے اس پر خاص قسم کے کمپیوٹر نمبر ہوتے ہیں جو اصل کام کرتے ہیں۔ ان نمبروں سے کمپیوٹر ہر بات بتا دیتا ہے۔ اخبار کا نمائندہ اگر چاہے تو اسی کارڈ سے پاکستان میں پچاس ہزار روپیہ حاصل کرلے تو بغیر کسی حیل و حجّت کے اُسے ادا کر دیا جائے گا۔ ابھی گذشتہ دنوں بھوپال میں جب فیکٹری میں گیس سے اڑھائی ہزار آدمی مر گئے تو رسالہ TIME کا نمائندہ نیویارک سے اگلی شام بھوپال میں تھا اور اگلی ہی اشاعت میں بھرپور تصویروں کے ساتھ اور مکمل تصویروں سے مزیّن ساری کہانی رسالہ میں چھپ گئی تھی۔

ٹیلیویژن کے نمائندوں کا یہاں ایک عجیب تماشا ہے۔ خدا جانے ابھی پاکستان میں شروع ہوا ہے یا نہیں۔ جیسے اخبار میں مختلف خبر رساں ایجنسیاں خبریں بھجواتی ہیں TV کی خبر رساں ایجنسیاں بھی خبریں بھجواتی ہیں لیکن وہ تصویری خبریں ہوتی ہیں۔ اگر کسی جگہ آگ لگ گئی ہے تو TV پر خبر آئے گی کہ آج شام چار بجے فلاں محلہ میں یا شہر میں آگ لگ گئی اور دس لاکھ کا نقصان ہو گیا۔ ہماری نمائندہ CHRISTINA اس کا حال سُنائے گی۔ اس کے بعد آپ کو وہ شہر یا محلہ یا مکان جو جل رہا ہوگا، دکھا دیا جائے گا اور CHRISTINA اُس جلتی ہوئی جگہ کے باہر کھڑی آپ کو سارا حال بتائے گی کہ آگ کیسے لگی۔ کوئی موت ہوئی یا کوئی جل گیا۔ کتنا نقصان ہوا۔ کون کون ہسپتال گیا۔ فائر بریگیڈ آگ بجھاتا دکھایا جائے گا۔ کون ذمّہ دار تھا یا مزید تفصیل بتا دی جائے گی۔ لیکن جو سب سے عجیب چیز ہے وہ بیک وقت نیوز روم میں بیٹھ کر دوسرے ملکوں کے وزراء سے، سیاستدانوں سے یا کارخانہ داروں، ڈاکٹروں وغیرہ سے انٹرویو لیا جاتا ہے مثلاً انگلستان میں کوئلہ کے کان کنوں نے ہڑتال کر دی ٹورنٹو کے TV نے انگلستان کے وزیر سے بات کرنی ہے۔ وزیر صاحب لندن میں اپنے گھر میں یا دفتر میں بیٹھے ہیں اور یہاں ٹورنٹو میں ٹی وی اناؤنسر بیٹھا ہے اور اسی وقت انٹرویو کیا جائے گا۔ TV کا اناؤنسر وزیر صاحب سے سوال کرے گا کہ جناب ہڑتال کیسے ہوئی۔ کیوں ہوئی۔ مزدوروں کی کیا شرائط ہیں۔ کب ختم ہوگی۔ کیا گفت و شنید ہو رہی ہے۔ اور وزیر صاحب اپنے دفتر میں یا گھر میں بیٹھے جواب دے رہے ہیں اور سب کچھ TV پر آرہا ہے اور یہ سب سیٹیلائٹس (SATELLITES) کے ذریعہ دکھایا جاتا ہے۔ ہمارے لئے عجیب ہے لیکن یہاں کے لوگوں کے لئے یہ عام بات ہے۔

اِس ملک کی یا یورپ امریکہ کی آبادیاں امیر تو ہیں لیکن یُوں ہی امیر نہیں۔ ہمارے ہاں پاکستان میں رات کو سب سوتے ہیں یہاں نصف آبادی جاگتی ہے۔ بعض ایسی کمپنیاں ہیں جو چوبیس گھنٹے چلتی ہیں اور بند کی جا سکتی ہی نہیں۔ مثلاً پلاسٹک کمپنیاں ہیں جو بند ہو ہی نہیں سکتیں اور اگر یہ شام کو بند کر دیں تو اگلے دن مشینوں کو گرم کرنے کے لئے دو ڈھائی گھنٹے درکار ہیں اور اِس ڈھائی گھنٹے کی مزدوری اگر فیکٹری ادا کرے تو تیسرے دن بند ہو جائے اِس لئے سب پلاسٹک فیکٹریاں دن رات کام کرتی ہیں اور پلاسٹک یہاں اِس قدر استعمال ہوتا ہے کہ گویا یہاں کی ساری دُنیا پلاسٹک کی ہی ہے۔ گھروں کے فرش، دیواریں چھتیں، کپڑے، ہر قسم کی پیکنگ، مثلاً بوتلیں، ڈبے، بیگ، کرسیاں، فرنیچر میں استعمال ہونے والی اشیاء، بجلی کا سامان، ٹیلیفون کا سامان، قالین، شیشہ، ریفریجریٹر، ٹی وی، فریزر۔ غرض کس کس چیز کا نام لیا جائے سب جگہ پلاسٹک استعمال ہو رہا ہے۔ اب یہ زوروں کی تحریک چل رہی ہے کہ روپیہ بھی پلاسٹک کا چلایا جائے جسے پلاسٹک منی (PLASTIC MONEY) کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہر شخص کے پاس کریڈٹ کارڈ ہو اور وہ کوئی رقم لے کر نہ چلے جس دُکان سے چاہے سَودا لے کارڈ دکھائے اور دکاندار کارڈ دیکھ کر سَودا دے دیگا اور آپ ہی بنک سے پیسے وصول کر لے گا۔ ہر بنک کے باہر ایک مشین لگی ہے اور بنک والوں نے آپ کو ایک کارڈ دیا ہؤا ہے آپ چاہیں تو اپنے اکاؤنٹ میں سے بنک کے اندر جا کر باقاعدہ چیک دے کر رقم وصول کر لیں یا چاہیں تو اُس مشین میں چیک دے کر رقم وصول کر لیں۔ وہی مشین آپ کے بجلی کے، پانی کے، فون کے، پراپرٹی ٹیکس یا دوسرے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ روپیہ جمع کرتی ہے اور آپ کو روپیہ ادا بھی کرتی ہے صرف بنک کا کریڈٹ کارڈ چاہیئے۔ بنک میں کمپیوٹر لگے ہیں آپ ابھی رقم جمع کرائیں اور باہر آ جائیں لیکن اگر آپ کو ابھی رقم واپس لینی ہے تو ابھی لے بھی سکتے ہیں ہمارے ہاں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ جناب کل آئیں رقم آپ کے کھاتہ میں جمع ہو گی تو ملے گی لیکن یہاں فوراً جمع ہو کر اُسی وقت لے بھی لیں۔ ہر بنک کی شہر میں بیسیوں شاخیں ہیں جس بنک میں آپ کا حساب ہے اگر آپ کے بنک میں دس کمپیوٹر ہیں تو جونہی آپ نے رقم جمع کروائی اُسی وقت دسوں کمپیوٹروں نے اُسے اپنے حساب میں درج کر لیا اور اُسی وقت شہر کے ہیڈ آفس میں جو اس بنک سے پندرہ میل دُور ہے اُس میں بھی اُسی وقت جمع ہو جائے گی اور اگر اُس بنک کا ہیڈ آفس دوسرے شہر میں ہے یعنی مانٹریال میں ہے تو آپ کی رقم اُسی لمحہ مانٹریال میں بھی جمع ہو رہی ہو گی۔ بہت ہی COMPLICATED نظام ہے۔

کام اِس قدر لیتے ہیں کہ کمر ٹوٹ جاتی ہے اور اکثر کام مشینوں سے ہوتا ہے۔ میرا لڑکا کچھ عرصہ

ہوا ایک فرنیچر کمپنی میں لگ گیا تو پتہ چلا کہ کمپنی ایک صوفہ پانچ منٹ میں تیار کر کے باہر نکال دیتی ہے۔ صرف لکڑی کا بنا بنایا ڈھانچہ آتا ہے اور اس میں سپرنگ لگانے، فوم چڑھانا، کپڑا سینا، اُس کی صفائی کرنی اور ہر طرح سے اُس کی چیکنگ پانچ منٹ میں کر کے سٹور میں صوفہ پہنچ بھی جاتا ہے۔

یہاں بڈھوں کی بہت مٹی پلید ہے۔ کوئی کارخانہ، کوئی دفتر، کوئی ادارہ کسی بڈھے کو کام نہیں دیتا مَیں جب یہاں شروع شروع میں آیا تو مجھے ایک جگہ کام مل گیا۔ سب لوگ مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے۔ یہاں بڈھوں کے لئے عام طور پر سیکیورٹی کی نوکری مل جاتی ہے ہمارے یہاں سے جو بھی کرنل یا وِنگ کمانڈر آتے ہیں تو سیکیورٹی کی نوکری کر لیتے ہیں۔ اور ابھی حال ہی کی بات ہے کہ ہمارے ایک دوست جنہوں نے تیس برس ریڈیو افسر کے طور پر کام کیا ہے اور الیکٹرانکس کے ماہر ہیں انتہائی کوشش کی کہ کوئی جگہ مل جائے ہرگز نہیں ملی اب سیکیورٹی کی نوکری کر لی ہے لیکن یہ بہت باعزّت کام ہے۔ بالکل پولیس افسر کی نوکری ہے۔ پولیس۔ انٹیلی جینس اور اس قسم کے سب ادارے اُس شخص کی پوری عزّت کرتے ہیں۔ پولیس افسروں کی طرح ان کی شاندار وردی ہوتی ہے۔ بیج ہوتا ہے وہ پولیس کی طرح ہی ہر اُس شخص کو چیک کر سکتا ہے جو اُس کے ایریا میں ناجائز نظر آئے۔ لیکن تنخواہ سب سے تھوڑی ہے اور کام سب سے سخت، محنت والا اور تھکا دینے والا ہے اور کوئی کسی قسم کی ترقی نہیں۔ غرض یہاں اِس ملک میں بڈھا ہونا ایک مصیبت پیدا کر لینا ہے۔ اولاد پوچھتی نہیں۔ پنشن نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اگر آپکے پاس اپنا مکان نہیں تو بڈھا اور بڑھیا فاقے مرتے ہیں۔ بچّے یہاں ماں باپ کو بالکل نہیں پوچھتے۔ تنِ تنہا اُداسی کی زندگی ہوتی ہے۔ نہ نوکری ملتی ہے نہ ملازمت۔ اکثر لوگ بے اعتنائی سے پیش آتے ہیں۔ بچّے اور دوسرے رشتہ دار کبھی برتھ ڈے پر یا کسی تہوار پر پوچھ گچھ لیتے ہیں ورنہ زندگی محض اُداسی اور بے بسی اور بے چارگی کی ہوتی ہے۔

صرف کھانا اور کپڑا یہاں سستا ہے باقی ہر چیز انتہائی مہنگی ہے اور جو کماؤ سب ان اللّوں تللّوں پر خرچ کر دو۔ زندگی اِس قدر تیز ہے کہ لوگ ہانپ جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہاں پیسے درختوں پر لگتے ہیں۔ صحیح ہے کہ درختوں پہ ہی لگتے ہیں لیکن ان پیسوں کو جھاڑتے ہوئے ہاتھ بھی چھِل جاتے ہیں، پاؤں بھی اور گھٹنے بھی۔

○

سالانہ پروگرام قیادت تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ برائے سنہ ۱۳۶۴ ہش / ۱۹۸۵ء

(۱) سالِ رواں کے دوران ماہوار مطالعہ کے لئے تفسیر کبیر جلد اوّل و دوم کی مندرجہ ذیل ترتیب مقرر کی جاتی ہے:-

● تفسیر کبیر جلد اوّل (تفسیر سورہ فاتحہ و سورہ بقرہ رکوع نمبر ۱ تا رکوع ۹)

جنوری، فروری ۸۵ء ص۱ تا ص۱۳۴ مارچ: ص۱۳۵ تا ص۲۳۴ اپریل: ص۲۳۵ تا ص۳۲۱

مئی: ص۳۲۲ تا ص۴۲۶ جون: ص۴۲۷ تا ص۵۴۸

● تفسیر کبیر جلد دوم (تفسیر سورہ بقرہ رکوع نمبر ۱۰ تا آخر)

جولائی: ص۱ تا ص۱۰۵ اگست: ص۱۰۶ تا ص۲۰۵ ستمبر: ص۲۰۶ تا ص۳۲۳ اکتوبر: ص۳۲۴ تا ص۴۲۳

نومبر: ص۴۲۴ تا ص۵۴۰ دسمبر: ص۵۴۱ تا ص۶۶

(۲) سالِ رواں میں تین مرکزی امتحان مندرجہ ذیل نصاب کے مطابق منعقد ہوں گے:-

● امتحان سہ ماہی اوّل ۲۳ مارچ / امان سنہ ۱۳۶۴ ہش / ۱۹۸۵ء

۱۔ ترجمہ قرآن کریم پارہ نمبر ۲۵ ربع سوم و چہارم (سورۃ الزخرف آیت نمبر ۲۷ تا سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۳۸)

۲۔ کتاب نظامِ نَو (شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ) از ص۱ تا ص۵۰

۳۔ کتاب بنیادی نصاب از ص۱ تا ص۷۳

● امتحان سہ ماہی دوم ۲۹ جون / احسان سنہ ۱۳۶۴ ہش / ۱۹۸۵ء

۱۔ ترجمہ قرآن کریم پارہ نمبر ۲۶ ربع اوّل (سورہ احقاف آیت نمبر ۱ تا آیت ۳۶)

۲۔ کتاب نظامِ نَو از ص۵۱ تا ص۹۴

۳۔ کتاب بنیادی نصاب از ص۷۴ تا ص۱۳۲

● امتحان سہ ماہی سوم ۲۱ ستمبر / تبوک سنہ ۱۳۶۴ ہش / ۱۹۸۵ء

۱۔ ترجمہ قرآن کریم پارہ نمبر ۲۶ ربع دوم (سورہ محمد آیت نمبر ۱ تا سورۃ الفتح آیت ۱۸)

۲۔ کتاب نظامِ نَو از ص۹۵ تا ص۱۳۲

۳۔ کتاب بنیادی نصاب از ص۱۳۳ تا ص۲۲۲

نوٹ:- تفسیر کبیر فی جلد -/۶۰ روپے اور کتاب نظامِ نَو -/۸ روپے میں دستیاب ہیں۔

(قیادت تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

مطالباتِ تحریکِ جدید

فرمودہ حضرت فضلِ عُمر

۱۔ سادہ زندگی بسر کریں۔ ۲۔ امانت فنڈ تحریکِ جدید میں روپیہ جمع کروائیں۔

۳۔ دشمن کے گندے لٹریچر کا جواب تیار کریں۔ ۴۔ تبلیغ ممالکِ بیرون میں حصّہ لیں۔

۷۔ وقف رخصتِ موسمی میں حصّہ لیں۔ ۸۔ نوجوان خدمتِ دین کے لئے زندگیاں وقف کریں۔

۹۔ رخصت کے ایّام خدمتِ دین کے لئے وقف کریں۔ ۱۰۔ صاحبِ پوزیشن مختلف جلسوں میں لیکچر دیں۔

۱۱۔ کم از کم پچیس ۲۵ لاکھ کا ایک مستقل ریزرو فنڈ قائم کریں۔

۱۲۔ پنشنرز اصحاب اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے پیش کریں۔

۱۳۔ طلباء کو تعلیم و تربیت کے لئے مرکزِ سلسلہ میں بھیجیں۔

۱۴۔ صاحبِ حیثیت لوگ اپنے بچّوں کے مستقبل کے بارے میں مشورہ طلب کریں۔

۱۵۔ بیکار دُنیا میں نکل جائیں۔ خود کمائیں اور کھائیں اور تبلیغِ احمدیت بھی کرتے پھریں۔

۱۶۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں۔

۱۷۔ جو لوگ بیکار ہیں وہ چھوٹے سے چھوٹا جو کام بھی مل سکے کریں۔

۱۸۔ مرکزِ سلسلہ میں مکان بنوائیں یہ دُنیا نہیں بلکہ دین ہے۔

۱۹۔ مقاصدِ تحریکِ جدید کی کامیابی کے لئے خاص طور پر دعائیں کریں۔

۲۰۔ تمدّنِ اسلامی کا قیام کریں۔ ۲۱۔ قومی دیانت کا قیام کریں۔

۲۲۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ ۲۳۔ راستوں کی صفائی کا خیال رکھیں۔

۲۴۔ احمدیہ دار القضاء کا قیام کریں اور اس کے فیصلوں کی پابندی کریں۔

۲۵۔ اپنی اولاد کو دین کے لئے وقف کریں۔ ۲۶۔ وقفِ جائیداد و آمد میں حصّہ لیں۔

۲۷۔ "حلف الفضول" کی قسم کا معاہدہ کریں کہ ہم امانت عدل و انصاف کو قائم کریں گے۔

(کتاب مطالبات تحریکِ جدید)

امّید ہے جملہ احبابِ جماعت حضور کے اِن مطالباتِ تحریکِ جدید کو پُورا کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (وکیل الدیوان تحریکِ جدید انجمن احمدیہ ۔ ربوہ)